



فِيضُ الْوَقَائِدِ

لِحَلِّ السُّئَلَاتِ

① شَيْخُ الْوَقَائِدِ



بَاهِتَامُ:
قَارِئُ فَيْضِ الْحَسَنِ اعْظَمِي

مُرْتَبِي
عَبْدُ اللَّهِ قَارِئِي

مَكْتَبَةُ صَوْتِ الْقُرْآنِ دِيوبَنْد

Website: NewMadarsa.blogspot.com

Telegram channel : New Madarsa

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب : فیض الوقایہ لئحل اسکتہ شرح الوقایہ

مؤلف : محمد عبداللہ القاسمی عفی عنہ

باہتمام : فیض الحسن اعظمی

صفحات : 240

ناشر : مکتبہ صوت القرآن دیوبند 01336-223460

ملنے کے پتے

شہلی کتاب گھرا عظم گڑھ	❖	کتب خانہ حمیدیہ، جامع مسجد دہلی
دیوبند اسلامک بک اسٹور دیوبند	❖	ثاقب بک ڈپو سنبھل

مکتبہ صوت القرآن دیوبند

MAKTABA SAUTUL QURAN

Madani Market, Deoband, E-mail: faizulhasanazml@gmail.com

Mob: 93586911053 Ph: 01336-223460

website: www.deobandtody.com/sautul-quran

Website: NewMadarsa.blogspot.com

Telegram channel : New Madarsa

انتساب

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے نام جس نے ہمارے اندر احساس و شعور کو
بیدار کیا اور جس کے فیضانِ صحبت سے کچھ کر گزرنے کا حوصلہ ہوا۔

(اور

اپنے مربی و مشفق اساتذہ کرام کے نام جنہوں نے اپنے علمی دریا سے
سیراب کر کے مجھے اس لائق بنایا۔

(اور

اپنے مشفق و مخلص والدین کے نام جن کی بے پایاں کوششوں اور مخلصانہ
شفقتوں اور مبارک دعاؤں کی بدولت اس مقام تک ہماری رسائی ہو سکی۔
محمد عبداللہ قاسمی عفی عنہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شرح وقایہ صفحہ: ۵۲

وَذَكَرَ شَمْسُ الْأَيْمَةِ الْحَلَوَائِيَّ: يَكْفِيهِ أَنْ يَبْلُ مَا بَيْنَ
 الْعِذَارِ وَالْأُذُنِ، وَلَا يَجِبُ إِسَالَةُ الْمَاءِ عَلَيْهِ بِنَاءً عَلَى مَا
 رَوَى عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْمُصَلِّيَ إِذَا بَلَ وَجْهَهُ وَأَعْضَاءَهُ
 وَضُوئَهُ بِالْمَاءِ وَلَمْ يَسِلِ الْمَاءُ عَنِ الْعَضْوِ جَازَ لَكِنْ قِيلَ
 تَأْوِيلُهُ أَنَّهُ سَأَلَ مِنَ الْعَضْوِ قَطْرَةً أَوْ قَطْرَتَانِ وَلَمْ يَتَذَارَكَ.
 (الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں، نیز
 ”لكن قيل تاويله الخ“ کی مراد بوضاحت لکھیں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور شمس الایمہ حلوائی ذکر کیا کہ کافی ہے یہ کہ تر ہو جائے عذار
 اور اذن کا درمیانی حصہ اور واجب نہیں ہے اس پر پانی کا بہانا، بناء کرتے ہوئے اس
 بات پر کہ جو امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ مصلی جب اپنے چہرہ اور اعضاء وضو کو
 پانی سے تر کر لے اور پانی عضو سے نہ بہے تو جائز ہے، لیکن کہا گیا ہے کہ اس کی تاویل
 یوں ہے کہ قطرہ یا دو قطرہ ٹپک جائے مسلسل نہ بہے۔

(ب) تشریح: مصنفؒ نے ”ففرض الوضوء غسل الوجه من ا
 لشعر“ سے فرائض وضو کو ذکر کرنا شروع کیا اور سب سے پہلے فرض غسل وجہ کی حد
 بیان فرمائی کہ وضو کا پہلا فرض سر کے بالوں کے اگنے کی انتہاء سے کانوں تک چہرہ
 دھونا، لہذا عذار اور کانوں کے درمیان کا حصہ بھی غسل میں داخل ہوگا، عذار کہتے ہیں
 داڑھی کی اس باریک لکیر کو جو کان کے قریب سے ہو کر سر کے بالوں سے جا کر مل جاتی

ہے، لہذا عذار اور کان کے درمیان میں جو ٹھوڑا سا حصہ ہوتا ہے اس کا دھونا بھی فرض ہوگا یہی طرفین اور ہمارے عام مشائخ کا مسلک ہے۔

وذکر شمس الاثمۃ الحلوائی الخ: اس سے پہلے ما بین العذار والاذن کے بارے میں ابھی طرفین اور ہمارے اکثر مشائخ کا مسلک بیان کیا گیا ہے وہ اس حصے کے غسل کو واجب قرار دیتے ہیں، اور یہاں غسل سے مراد اس طرح دھونا ہے کہ اس پر سے پانی بہہ جائے، لیکن شمس الاثمۃ حلوائی فرماتے ہیں کہ: ”ما بین العذار والاذن“ اگر صرف تر ہی ہو جائے تو کافی ہے اس سے پانی کا بہانا واجب نہیں ہے اس مسئلہ کی بنیاد شمس الاثمۃ حلوائی نے امام ابو یوسفؒ کے اس قول پر رکھی ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ اگر مصلی اپنے چہرہ اور اعضاء وضو کو ترک کرے اور عضو سے پانی نہ بہے تو بھی وضو صحیح ہو جائے گا۔

لکن قیل تاویلہ الخ: بعض حضرات نے فرمایا کہ شمس الاثمۃ حلوائی کا اس قول سے دلیل پکڑنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ امام ابو یوسفؒ کے اس قول کی مراد یہ ہے کہ پانی قطرہ دو قطرے ٹپک جائیں مسلسل نہ بہے، یہ مراد نہیں ہے کہ بالکل ہی قطرے نہ ٹپکیں، کیونکہ امام ابو یوسفؒ بھی غسل میں تقاطر شرط مانتے ہیں، چنانچہ وضو میں غسل وجہ فرض ہے اور وجہ (چہرہ) کی حد طول میں سر کے بالوں کے اگنے کی انتہاء سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک ہے ان تمام حصے کا دھونا فرض ہے۔

فائدہ: فرض اس حکم کو کہتے ہیں جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اور جس کا کرنا ضروری ہو اور جس کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر عتاب ہو۔

شرح وقایہ صفحہ: ۵۵

وَاعْلَمُ أَنَّ الْمَفْرُوضَ فِي مَسْحِ الرَّأْسِ أَذْنَى مَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ
اسْمُ الْمَسْحِ وَهُوَ شَعْرَةٌ أَوْ ثَلَاثُ شَعْرَاتٍ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ
عَمَلًا بِإِطْلَاقِ النَّصِّ وَعِنْدَ مَالِكٍ إِلَّا سِتْيَعَابُ فَرَضُ
كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَعِنْدَنَا رُبْعُ
الرَّأْسِ وَقَدْ ذَكَرُوا أَنَّهُ إِذَا قِيلَ مَسَحْتُ الْحَائِطَ بِيَدِي
يُرَادُ بِهِ كُلُّهُ وَإِذَا قِيلَ مَسَحْتُ بِالْحَائِطِ يُرَادُ بِهِ بَعْضُهُ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) مطلب بیان کیجئے اور اختلافِ ائمہ مع
دلائل لکھئے، نیز ربعِ رأس کے مسح کی فرضیت پر کوئی نقلی دلیل بھی پیش کیجئے۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جان لو کہ مسحِ رأس میں فرضِ امام شافعیؒ کے نزدیک کم
از کم وہ مقدار ہے جس پر لفظ مسح کا اطلاق ہو سکتا ہے اور وہ ایک بال یا تین بال ہیں
نص کے مطلق ہونے پر عمل کرتے ہوئے، اور امام مالکؒ کے نزدیک استیعاب یعنی
پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ”فامسحوا بوجوهکم“
میں (پورے چہرے کا مسح فرض ہے) اور ہمارے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض
ہے اور علماء احناف نے بطور دلیل کے یہ بات ذکر کی ہے کہ جب مسح
الحائط بیدی کہا جاتا ہے تو اس سے پوری دیوار مراد ہوتی ہے اور اگر مسح
بالحائط کہا جائے تو اس سے دیوار کا کچھ حصہ مراد ہوتا ہے۔

(ب) تشریح: ”واعلم ان المفروض الخ“ سے مصنفؒ

راس کی مقدار میں ائمہ کا اختلاف بیان فرما رہے ہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک ایک یا

تین بال کا مسح کرنا فرض ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں مسح راس بغیر کسی قید کے مطلق استعمال ہوا ہے اور ”المطلق یجری علی اطلاقہ“ کے قاعدہ کے تحت مطلق سر کا مسح فرض ہوگا اور اس کی ادنی مقدار ایک یا تین بال پر مسح کرنے سے فرض مسح ادا ہو جائے گا، امام مالکؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے قول ”فامسحوا بوجوهکم“ میں پورے چہرے کا مسح کرنا بالاتفاق فرض ہے اسی طرح یہاں بھی پورے سر کا مسح کرنا فرض ہوگا، اور احناف کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے احناف کی نقلی دلیل یہ ہے کہ آیت مقدار مسح میں مجمل ہے اور مجمل بیان کا محتاج ہوتا ہے چنانچہ حدیث مغیرہ اس کا بیان ہوگی، وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضأ ومسح علی ناصیتہ ، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور مقدار ناصیہ پر مسح کیا، اور مقدار ناصیہ ربع راس ہوتا ہے لہذا ربع راس کا مسح فرض ہوگا، اس کے علاوہ مصنفؒ نے ایک عقلی دلیل بھی پیش کی کہ جب ”مسحت الحائط بیدی“ کہا جائے تب تو اس سے پوری دیوار مراد ہوتی ہے اور اگر ”مسحت بالحائط“ کہا جائے تو اس سے پوری دیوار مراد نہیں ہوتی، دیوار کا کچھ حصہ مراد ہوتا ہے، کیوں کہ ”باء“ میں اصل یہ ہے کہ وہ وسائل پر داخل ہوتی ہے اور وسائل چونکہ غیر مقصود ہوتے ہیں لہذا ان کا استیعاب مراد نہیں ہوتا ہے بلکہ اتنا ہی حصہ مراد ہوتا ہے جس سے مقصود کا حاصل ہونا ممکن ہو لہذا جب باء محل پر داخل ہوگی تو اس صورت میں محل وسائل کی طرح ہو جائے گا جس کی وجہ سے محل کا استیعاب ثابت نہ ہوگا بلکہ بعض ثابت ہوگا جو حدیث مشہورہ کی بناء پر مقدار ناصیہ یعنی ربع راس ہوگا لہذا ربع راس ہی کا مسح فرض ہوگا۔ (شرح الوقایہ ص: ۵۵ حاشیہ ۱۰)

مسئلہ: اگر کسی عضو پر مسح کرنے کے بعد تری باقی رہ جائے تو اس سے سر کا

مسح کرنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ مسح میں جب ہاتھ کو کسی عضو پر پھیر لیا جائے تو ہاتھ میں جو تری ہے وہ مستعمل ہو جاتی ہے اور ماء مستعمل سے پاکی حاصل نہیں ہوتی ہے۔

شرح وقایہ صفحہ: ۵۷

وَأَمَّا نَفْسِي مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ فَمَبْنِي عَلَى أَنَّ الْآيَةَ مُجْمَلَةٌ
فِي حَقِّ الْمِقْدَارِ لَا مُطْلَقَةٌ كَمَا زَعَمَ لِأَنَّ الْمَسْحَ فِي اللُّغَةِ
إِمْرَارُ الْيَدِ الْمُبْتَلَةِ وَلَا شَكَّ أَنَّ مُمَاسَّةَ الْأَنْمِلَةِ شَعْرَةً أَوْ
ثَلَاثًا لَا تُسَمَّى مَسْحَ الرَّأْسِ وَإِمْرَارُ الْيَدِ يَكُونُ لَهُ حَدٌّ
وَهُوَ غَيْرُ مَعْلُومٍ فَيَكُونُ مُجْمَلًا وَلِأَنَّهُ إِذَا قِيلَ مَسَحْتُ
بِالْحَائِطِ يُرَادُ بِهِ الْبَعْضُ وَفِي قَوْلِهِ تَعَالَى (فَامْسَحُوا
بِأُجُوهِكُمْ) الْكُلُّ فَيَكُونُ الْآيَةُ فِي الْمِقْدَارِ مُجْمَلَةً فَفَعَلُهُ
عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ مَسَحَ عَلَى نَاصِيَتِهِ يَكُونُ بَيَانًا لَهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مسح رأس کے سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ کا مسلک بیان کر کے احناف کا مسلک دلیل سے ثابت کریں (ج) عبارت میں امام شافعی کے مسلک کی جو تردید کی گئی ہے اس کی وضاحت کریں، اور مجمل و مطلق کے مابین فرق واضح کریں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور رہی امام شافعی کے مذہب کی نفی تو وہ مبنی ہے اس بات پر کہ آیت وضو مقدار مسح کے حق میں مجمل ہے نہ کہ مطلق جیسا کہ امام شافعی نے گمان کر لیا ہے، اس لئے کہ لغت میں مسح، تر ہاتھ پھیرنے کو کہتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انگلیوں سے ایک بال یا تین بالوں کو چھو لینا مسح رأس نہیں کہلاتا ہے، اس لئے

امرارید کی ایک حد ہونی چاہئے اور وہ معلوم نہیں ہے لہذا یہ آیت مجمل ہوگی اور اس وجہ سے بھی کہ جب مسحت بالحائط کہا جائے تو اس سے بعض مراد ہوتا ہے، برخلاف اللہ تعالیٰ کے قول ”فامسحوا بوجوهکم“ میں کہ یہاں کل مراد ہے، پس یہ آیت وضوح راس کی مقدار میں مجمل ہوگی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل کہ آپ علیہ السلام نے ناصیہ پر مسح کیا اس مجمل کا بیان ہوگا۔

(ب) مسح راس کے سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ کا مسلک مع دلائل کے ماقبل میں بیان کیا جا چکا ہے برائے کرم ملاحظہ کر لیں۔

(ج) **وامانفی مذهب الشافعی الخ:** مصنف یہاں سے امام شافعیؒ کے مسلک کی تردید کر رہے ہیں کہ آپ نے جس آیت کو مطلق مان کر ایک بال یا تین بالوں پر مسح کرنے کو فرض قرار دیا ہے آپ کا آیت کو مطلق ماننا غلط ہے، بلکہ یہ آیت مقدار مسح میں مجمل ہے نہ کہ مطلق، اس وجہ سے کہ یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ انگلی سے ایک بال یا تین بالوں کو چھو لینا مسح نہیں کہلاتا، کیوں کہ مسح تو امرارید کا نام ہے لیکن امرارید کی ایک حد ہونا ضروری ہے اور وہ معلوم نہیں ہے، لہذا یہ آیت مجمل ہوئی نہ کہ مطلق، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدار ناصیہ پر مسح کیا اس مجمل کا بیان ہو جائے گا اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر ایک بال یا تین بالوں پر مسح کافی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ میں کبھی تو اس پر عمل کر کے دکھلاتے، لیکن مقدار ناصیہ سے کم پر مسح کرنے کی کوئی روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ہی نہیں۔

مسح کی تعریف: **إِصَابَةُ الْيَدِ الْمُبْتَلَةِ الْعَضْوِ** یعنی تر ہاتھ کو عضو پر پھیرنے کا نام مسح ہے۔

محمل اور مطلق کے مابین فرق

والفرق بین المجمل والمطلق ان المجمل مجهول المراد حتى ياتى البيان من المتكلم موصولاً ومفصلاً فاذا جاء البيان التحق ذلك باصله وصار المجمل حينئذ مفيداً لما أريد منه .

والمطلق معلوم المراد مجهول الكيفية غير محتاج إلى البيان ، و حكمه انه يحمل على الاقل المتيقن الا ان يدل دليل على خلافه .

اور مطلق کا حکم یہ ہے کہ وہ اقل یقینی پر محمول ہوتا ہے ، مگر کوئی ایسی دلیل ہونی چاہئے جو اس کے خلاف دلالت کرے۔ (شرح الوقایہ ص: ۵۷ حاشیہ ۲)



شرح وقایہ صفحہ: ۵۸

وَسُنَّتُهُ لِلْمُسْتَقِظِ غَسْلُ يَدَيْهِ إِلَى رُسْغِيهِ ثَلَاثًا قَبْلَ ادْخَالِهِمَا
الْإِنَاءَ هَذَا الْغَسْلُ عِنْدَ بَعْضِ الْمَشَائِخِ سُنَّةٌ قَبْلَ الْإِسْتِجَاءِ
وَعِنْدَ الْبَعْضِ بَعْدَهُ وَعِنْدَ الْبَعْضِ قَبْلَهُ وَبَعْدَهُ جَمِيعًا .

(الف) عبارت باعرا ب لکھ کر ضمیروں کے مراجع ظاہر کرتے ہوئے ترجمہ و مطلب لکھیں (ب) نیز پانی کے برتن صغیر و کبیر ہونے کے اعتبار سے شارح نے غسل ید کی جو کیفیت بیان کی ہے اس کو واضح کریں ، اور اگر ہاتھ پر نجاست لگی ہو تو اس کا دور کرنا سنت ہے یا فرض؟ بوضاحت لکھیں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور وضو کی سنت نیند سے بیدار ہونے والے کے لئے یہ ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو گٹھوں تک تین دفعہ دھوئے، اپنے دونوں ہاتھوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے، یہ دھونا بعض مشائخ کے نزدیک استنجاء سے پہلے سنت ہے، بعض کے نزدیک استنجاء کے بعد اور بعض کے نزدیک استنجاء سے پہلے اور بعد میں دونوں مرتبہ سنت ہے۔

تشریح: مصنف علیہ الرحمہ فرائض وضو سے فارغ ہونے کے بعد سنن وضو کا تذکرہ فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ اگر سونے والا نیند سے بیدار ہوا تو برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے اس کو گٹھوں تک دھولینا سنت ہے، البتہ اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں کہ ہاتھ کب دھوئے؟ استنجاء سے پہلے یا بعد میں۔ بعض مشائخ یہ فرماتے ہیں کہ استنجاء سے پہلے ہی دھولے، بعض یہ فرماتے ہیں کہ استنجاء کے بعد وضو سے پہلے دھوئے اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ استنجاء سے پہلے اور بعد میں دونوں دفعہ دھونا چاہئے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے جیسا کہ محیط میں ہے کہ یہ قول تینوں اقوال میں اصح ہے، اس کی اصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے کہ آپؐ نے اپنے دست مبارک کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے دھویا پھر شرمگاہ کو دھویا پھر دونوں ہاتھوں کو مٹی سے صاف فرمایا پھر دونوں ہاتھوں کو دھویا اس کے بعد باقاعدہ نماز کے لئے وضو فرمایا۔ (انتہی ۱۲)

(ب) پانی کے برتن صغیر و کبیر ہونے کے اعتبار سے غسل یدین کی کیفیت یہ ہے کہ اگر برتن چھوٹا ہو اور اس کو اٹھانا ممکن ہو تو اس کو اپنے بائیں ہاتھ سے اٹھائے اور اس سے دائیں ہتھیلی پر پانی بہائے اور اس کو تین مرتبہ دھولے اور پھر دائیں ہاتھ

سے بائیں ہتھیلی پر پانی بہا نیل اور اس کو تین مرتبہ دھو لے، اور اگر برتن اتنا بڑا ہو کہ اس کو اٹھانا ممکن نہ ہو تو اگر اس کے ساتھ چھوٹا برتن ہے تو اس چھوٹے برتن سے پانی لے اور بائیں ہاتھ سے اٹھا کر دائیں ہتھیلی پر پانی بہائے اور اس کو تین مرتبہ دھو لے اور اگر چھوٹا برتن نہ ہو جس سے پانی لے سکے تو اس کی صورت یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ایک ساتھ ملا لے اور چپچہ نما بنا لے اور ان کو برتن میں اس طرح داخل کرے کہ ہتھیلی داخل نہ ہو اور صرف انگلیوں سے پانی لے کر دائیں ہاتھ پر پانی ڈالے اور اس کو تین مرتبہ دھو لے پھر اپنے دائیں ہاتھ کو برتن میں جتنا داخل کرنا چاہے داخل کر لے۔

نوٹ: یہ تمام صورتیں اور غسل ید کا سنت ہونا اس صورت میں ہے جب کہ اس کو ہاتھ پر نجاست ہونے کا علم نہ ہو جیسا کہ عام حالت ہوتی ہے، لیکن اگر کسی کو احتلام یا دوسری ناپاکی وغیرہ لگ جائے تو اس صورت میں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے ہاتھ کو منی وغیرہ لگ گئی ہو تو ایسی صورت میں ہاتھوں کا دھونا فرض ہوگا اس طریقے پر کہ برتن وغیرہ کو ہاتھ لگا کر برتن کو ناپاک نہ کر دے۔

شرح وقایہ صفحہ: ۵۹

و تَسْمِيَةُ اللَّهِ تَعَالَى ابْتِدَاءً وَ السَّوَاكُ وَ الْمَضْمَضَةُ
بِمِيَاهِ وَ الْإِسْتِنْشَاقُ بِمِيَاهِ وَ إِنَّمَا قَالَ بِمِيَاهِ وَلَمْ يَقُلْ ثَلَاثًا
لِيَذُلَّ عَلَى أَنَّ الْمَسْنُونِ الثَّلَاثُ بِمِيَاهِ جَدِيدَةٍ وَإِنَّمَا كَرَّرَ
قَوْلَهُ بِمِيَاهِ لِيَذُلَّ عَلَى تَجْدِيدِ الْمَاءِ لِكُلِّ مِنْهُمَا خِلَافًا
لِلشَّافِعِيِّ فَإِنَّ الْمَسْنُونِ عِنْدَهُ أَنْ يُمَضِّضَ وَيَسْتَنْشِقَ
بِغُرْفَةٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ هَكَذَا ثُمَّ هَكَذَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ لکھیں (ب) مطلب بیان کرتے ہوئے مضمضہ اور استنشاق کے مرادی معنی لکھیں، نیز احناف اور شوافع کے درمیان ان دونوں کے عمل میں کیا فرق ہے مفصل تحریر کریں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور وضو کے شروع میں بسم اللہ کہنا اور مسواک کرنا اور الگ الگ پانیوں سے کلی کرنا، اور مختلف پانیوں سے ناک میں پانی پہنچانا۔ اور مصنفؒ نے بمیاء فرمایا ثلاثاً نہیں فرمایا، تا کہ کلام اس بات پر دلالت کرے کہ تثلیث جو مسنون ہے وہ نئے پانیوں سے ہے اور بمیاء کو اس لئے مکرر لائے تا کہ وہ اس بات پر دلالت کرے کہ مضمضہ اور استنشاق میں سے ہر ایک کے لئے نیا پانی ہو، اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک ایک ہی چلو سے کلی کرنا اور ناک میں پانی پہنچانا سنت ہے، پھر اسی طرح دوسری مرتبہ، پھر اسی طرح تیسری مرتبہ۔

(ب) تشریح: المضمضۃ ہی استیعاب الماء جمیع الفم یعنی پورے منہ میں پانی کو حرکت دینا، والا استنشاق وهو ایصال انماء الی الانف . (بحاشیہ شرح الوقایہ)

اس سے پہلے دونوں ہاتھوں کا گٹھوں تک دھونا تو وضو پر مقدم تھا، اب یہاں سے مصنفؒ اصل وضو کی سنتیں بیان فرما رہے ہیں کہ جب وضو شروع کرے تو اللہ کے نام سے شروع کرے اور تسمیہ کی دو صورتیں ہیں (۱) یا تو بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ لے (۲) یا بسم اللہ العظیم والحمد للہ علی دین الاسلام کہہ لے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح کی روایتیں وارد ہیں، البتہ تسمیہ کے حکم میں ہمارے اصحاب میں اختلاف ہے بعض اس کو مستحب کہتے ہیں، یہ قول ضعیف ہے، بعض اس کو سنت مؤکدہ

کہتے ہیں، یہی ہمارے اکثر اصحاب کا قول ہے اور بغض اس کو واجب قرار دیتے ہیں۔
 شارح ”وانما قال بمیاء الخ“ سے یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ صاحب وقایہ
 نے بمیاء کیوں کہاثلثاً کیوں نہیں کہا جیسا کہ عام مصنفین کی عادت ہے، تو فرمایا کہ
 اس کی وجہ یہ ہے کہ مضمضہ واستنشاق میں تثلیث جو مسنون ہے وہ ہر مرتبہ نئے پانی
 سے ہے اور ثلثاً کہنے میں یہ بات صاف طور پر واضح نہیں ہوتی اس لئے بمیاء کہا
 کیوں کہ میاء جمع ہے اور جمع کے افراد متغایر ہوتے ہیں جس سے ہر مرتبہ نئے پانی کا
 ہونا سمجھ میں آجاتا ہے اور مضمضہ واستنشاق کے ساتھ میاء کو اس لئے مکرر لائے ہیں
 تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ مضمضہ کے لئے الگ پانی ہو اور استنشاق کے لئے
 الگ پانی ہو دونوں ایک ہی پانی سے نہ ہوں، اسی پر احناف کا عمل ہے، برخلاف امام
 شافعی کے کیوں کہ ان کے نزدیک مسنون یہ ہے کہ ایک ہی چلو سے کلی بھی کرے اور
 ناک میں بھی پانی پہنچائے اور اسی طرح تین مرتبہ کرے یعنی تین چلو پانی ہو اور ہر چلو
 سے ایک بار کلی کرے اور ایک بار ناک میں پانی پہنچائے۔

شرح وقایہ صفحہ ۶۱:

فَإِنْ قِيلَ مِثْلُ هَذَا الْكَلَامِ يَتَأْتِي فِي جَمِيعِ الْعِبَادَاتِ فَلَا
 دَلَالَةَ لَهُ عَلَى إِشْتِرَاطِ النِّيَّةِ فِي الْعِبَادَاتِ وَذَلِكَ بَاطِلٌ
 فَإِنَّ الْمُتَمَسِّكَ فِي إِشْتِرَاطِ النِّيَّةِ فِي الْعِبَادَاتِ هَذَا
 الْحَدِيثُ قُلْنَا نَقْدَرُ الثَّوَابَ لَكِنَّ الْمَقْصُودَ فِي الْعِبَادَاتِ
 الْمَحْضَةِ الثَّوَابُ فَإِذَا خَلَّتْ عَنِ الْمَقْصُودِ لَا يَكُونُ لَهَا
 صِحَّةٌ لِأَنَّهَا لَمْ تُشْرَعْ إِلَّا مَعَ كَوْنِهَا عِبَادَةً بِخِلَافِ
 الْوُضُوءِ إِذْ لَيْسَ هُوَ عِبَادَةً مَّقْصُودَةً.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) سوال و جواب کو واضح انداز میں سمجھائیے، اور بتائیے کہ بغیر نیت کے وضو سے نماز صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

(الف) ترجمہ: پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ بات تو تمام عبادتوں میں صادق آتی ہے، پس اس صورت میں یہ حدیث کسی بھی عبارت میں نیت کے شرط ہونے پر دلالت نہیں کرے گی، حالانکہ یہ باطل ہے، کیونکہ عبادتوں میں نیت کے شرط ہونے پر اسی حدیث کو دلیل بنایا جاتا ہے، تو ہم اس کا جواب دیں گے کہ ہم ثواب ہی کو مقدر مانتے ہیں لیکن چوں کہ عبادات محضہ میں ثواب ہی مقصود ہوتا ہے پس جب وہ عبادتیں مقصود سے خالی ہو گئیں تو ان کی صحت کا حکم بھی نہیں ہوگا، کیوں کہ ان کو صرف عبادت ہونے کی حیثیت سے ہی مشروع کیا گیا ہے، برخلاف وضو کے کیوں کہ وضو عبادت مقصودہ نہیں ہے۔

(ب) تشریح: نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں یعنی دل سے وضو کرنے کا ارادہ کرے، یا حدث کے دور کرنے کا ارادہ کرے یا کسی ایسی عبادت کا ارادہ کرے جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہوتی ہو اور قرآنی ترتیب کے مطابق وضو کرے یعنی پہلے چہرہ دھوئے پھر ہاتھ دھوئے پھر سر کا مسح کرے پھر پیر دھوئے، نیت اور ترتیب ہمارے نزدیک سنت ہے، لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے، دلیل ”انما الاعمال بالنیات“ والی حدیث ہے، احناف کی طرف سے اس حدیث کا جواب بھی دیا جا چکا ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث میں یا تو ثواب یا حکم اخروی کو مقدر مانا جائے تو اس صورت میں وضو میں نیت نہ ہو تو ثواب کی تو نفی ہوگی لیکن صحت کی نفی نہیں ہوگی، اسی پر فان قيل الخ سے یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ بات تو تمام عبادتوں پر صادق آتی

هے، دوسری عبادتوں میں بھی یہ کہا جا سکتا هے که اگر نیت نه هو تو ثواب نه ملے گا لیکن عبادت تو صحیح هو جائے گی، چنانچه یہ حدیث کسی بھی عبادت میں نیت کے شرط هونے پر دلالت نہیں کرے گی، حالاں که یہ باطل هے، کیوں که بالاتفاق سبھی جس میں آپ (احناف) بھی شامل ہیں، اسی حدیث کو دلیل بنا کر دوسری عبادتوں میں نیت کو شرط قرار دیتے ہیں، فما الجواب ایها الا حناف؟

اس کے جواب میں هم یہ کہیں گے که وضو میں نیت کے شرط نه هونے سے دوسری عبادتوں میں نیت کا شرط نه هونا لازم نہیں آتا بلکه دوسری عبادتوں میں نیت شرط هوگی کیوں که عبادتیں دو طرح کی ہیں، ایک تو عبادات مقصودہ هے جو مقصود بالذات هوتی ہیں اور ان کی غرض صرف حصول ثواب هوتی هے جیسے که نماز، روزہ، حج وغیرہ، اور دوسری عبادات غیر مقصودہ ہیں جو مقصود بالذات نہیں هوتی ہیں بلکه کسی اور عبادت کے لئے شرط هوتی ہیں جیسے وضو، جگہ، کپڑے کی پاکی وغیرہ، اور ان کی اصل غرض تو کسی دوسری عبادت کے لئے وسیلہ هونا هوتی هے اور ساتھ میں ثواب بھی مقصود هوتا هے، اب جب که هم نے ”انما الاعمال بالنیات“ میں ثواب کو مقدر مانا تو اگر عبادت مقصودہ میں نیت نه هو تو حدیث کی رو سے ثواب کی نفی هو جائے گی اور جب ثواب کی نفی هوتی تو صحت کی بھی نفی هو جائے گی، کیوں که صحت کہتے ہیں ”اتیان الشئ حسب ما شرع له“ کو اور عبادات مقصودہ ثواب ہی کے لئے مشروع هوتی ہیں تو جب ثواب نه هوگا تو صحت کا حکم بھی نہیں لگے گا، لہذا عبادات مقصودہ کی صحت کے لئے نیت شرط هوگی۔

اور عبادات غیر مقصودہ نیت کے نه هونے کی بناء پر اگر ثواب سے خالی بھی ہوں تب بھی ان کی صحت کے حکم میں کوئی خلل واقع نه هوگا، جیسا که وضو هے که اگر نیت نه هو تو ثواب نہیں ملے گا لیکن مفتاح صلوٰۃ هونے کے اعتبار سے صحیح هوگا اور اس سے نماز درست هوگی۔

شرح وقایہ صفحہ ۶۲:

أَمَّا التَّرْتِيبُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى: "فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ" فَيُفْرَضُ تَقْدِيمُ غَسْلِ الْوَجْهِ فَيُفْرَضُ تَقْدِيمُ الْبَاقِي مُرْتَبًا لِأَنَّ تَقْدِيمَ غَسْلِ الْوَجْهِ مَعَ عَدَمِ التَّرْتِيبِ فِي الْبَاقِي خِلَافُ الْإِجْمَاعِ، قُلْنَا: أَلَمْذَكُورُ بَعْدَهُ حَرْفُ الْوَاوِ فَالْمُرَادُ فَاغْسِلُوا هَذَا الْمَجْمُوعَ فَلَا دَلَالَةَ لَهُ عَلَى تَقْدِيمِ غَسْلِ الْوَجْهِ، وَإِنْ سُلِّمَ فَمَتَى اسْتَدَلَّ الْمُجْتَهِدُ بِهَذِهِ الْآيَةِ لَمْ يَكُنْ الْإِجْمَاعُ مُنْعَقِدًا.

(الف) عبارت با اعراب مع ترجمہ لکھے (ب) ترتیب فی الوضوء میں ائمہ کرام کا مسلک مع دلائل لکھے، آیت سے ترتیب کی فرضیت پر کئے گئے استدلال کی وضاحت کیجئے، کتاب میں ذکر کردہ دونوں جوابوں کو سمجھ کر لکھے (ج) "وان سلم الخ" سے شارح کیا کہنا چاہتے ہیں؟ وضاحت کیجئے، نیز اجماع کی تعریف بھی لکھے۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور (امام شافعیؒ کے نزدیک) ترتیب کا فرض ہونا اللہ تعالیٰ کے قول "فاغسلوا وجوهكم" کے ذریعہ ہے، کیوں کہ جب غسل وجہ کو مقدم کرنا فرض ہوگا تو باقی اعضاء کا بھی ترتیب وار مقدم کرنا فرض ہوگا، اس لئے کہ غسل وجہ کی تقدیم کو مان لینا اور باقی اعضاء میں ترتیب کو نہ ماننا اجماع کے خلاف ہے، جواباً ہم کہتے ہیں کہ اس (غسل وجہ کے حکم) کے بعد حرف واؤ مذکور ہے، پس اس سے مراد اس تمام مجموعہ کا دھونا ہے، پس اس آیت کی تقدیم غسل وجہ پر دلالت نہ ہوگی، اور اگر یہ بات تسلیم کر بھی لی جائے (کہ آیت تقدیم غسل وجہ پر دلالت کرتی ہے) تو جب

امام شافعیؒ نے اس آیت سے استدلال کیا اس وقت اجماع منعقد نہیں تھا۔

(ب) **تشریح:** امام شافعیؒ وضو میں ترتیب کو بھی فرض قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ”اذا قمتم إلى الصلوة فاغسلوا الخ“ فرمایا ہے اور فاء تعقیب کے لئے آتا ہے اور تعقیب ترتیب کے معنی پر دلالت کرتا ہے، پس آیت میں ارادہ قیام الی الصلوة اور غسل وجہ میں ترتیب ثابت ہوئی۔ اور جب غسل وجہ میں ترتیب ثابت ہوئی تو باقی اعضاء میں بھی ترتیب ثابت ہوگی، کیوں کہ غسل وجہ میں ترتیب ثابت ہوئی تو باقی اعضاء میں بھی ترتیب ثابت ہوگی، کیوں کہ غسل وجہ میں ترتیب کو ماننا اور باقی اعضاء میں ترتیب کو نہ ماننا خلاف اجماع ہے، کیوں کہ اس صورت میں وضوء کے اعضاء غسل میں فصل لازم آئے گا، اور فصل کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ”فاغسلوا وجوهکم وایدیکم“ میں واؤ مذکور ہے اور اہل لغت کا اس پر اجماع ہے کہ واؤ مطلق جمع کے لئے آتا ہے پس مراد یہ ہوگا کہ اس تمام کے مجموعہ کو دھوؤ، پس اگر فاء کے ذریعہ سے ترتیب ثابت بھی ہوگی تو ارادہ صلوٰۃ اور اس مجموعہ کے غسل کے درمیان ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول: یا ایہا الذین آمنوا إذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا إلى ذکر اللہ وذرو البیع: میں کوئی بھی سعی الی ذکر اللہ اور ترک بیع میں ترتیب کو فرض قرار نہیں دیتا۔

(ج) **وان سلم الخ:** سے امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ سب سے پہلے تو ہمیں یہ تسلیم ہی نہیں ہے کہ یہاں ترتیب ثابت ہو رہی ہے، لیکن بفرض محال اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ تقدیم غسل وجہ کا ثبوت ہو رہا ہے، لیکن اس پر ہمارا اور شوافع کا اجماع تو منعقد نہیں ہوا، لہذا یہ کہنا کہ غسل وجہ کو مقدم ماننا اور بقیہ اعضاء میں ترتیب کو نہ ماننا خلاف اجماع ہے یہ غلط ہے، لہذا امام شافعیؒ کا یہ استدلال

بلاد لیل ہے، اور استدلال اجماع سے نہیں بلکہ محض اپنے گمان سے ہے۔

اجماع کی تعریف: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امت محمدیہ کے تمام مجتہدین صالحین کا کسی بھی زمانہ میں کسی حکم شرعی پر اتفاق کر لینا، اتفاق خواہ قول سے ہو یا عمل سے ہو یا اعتقاد سے۔



شرح وقایہ صفحہ: ۶۴

وَمُسْتَحَبُّهُ التَّيَامُنُ أَيْ الْإِبْتِدَاءُ بِالْيَمِينِ فِي غَسْلِ
الْأَعْضَاءِ، فَإِنْ قُلْتَ لَا شَكَّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَاطَّابَ عَلَى التَّيَامُنِ وَلَمْ يَرَوْا أَحَدًا أَنَّهُ بَدَأَ بِالشَّمَالِ
فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ سُنَّةً؛ قُلْتُ السُّنَّةُ مَا وَاطَّابَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ
السَّلَامُ عَلَيْهِ مَعَ التَّرُكِ أحياناً فَإِنْ كَانَتْ الْمُوَاطَّابَةُ عَلَى
سَبِيلِ الْعِبَادَةِ فَسُنَنُ الْهُدَى، وَإِنْ كَانَتْ عَلَى سَبِيلِ الْعَادَةِ
فَسُنَنُ الزَّوَائِدِ وَكَلا مَنَافِي الْأَوَّلِ، وَمُوَاطَّابَتُهُ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى التَّيَامُنِ كَانَتْ مِنْ قَبِيلِ الثَّانِي.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) ”فان قلت الخ“ سے
مذکور سوال اور اس کے جواب کی وضاحت کریں، پھر سنن الہدیٰ اور سنن زوائد کی
مثالیں بھی پیش کریں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور وضو کا مستحب تیا من ہے، یعنی اعضاء کو دھونے میں دائیں
طرف سے ابتداء کرنا، پس اگر تو کہے تو اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ تیامن پر مواظبت کی ہے اور کسی نے بھی یہ روایت نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بائیں جانب سے شروع کیا ہو، لہذا مناسب تھا کہ تیامن کو سنت قرار دیا جاتا، تو میں جواب دوں گا کہ سنت وہ ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو کبھی کبھی چھوڑ کر پس اگر یہ مواظبت بطور عبادت کے ہو تب تو یہ سنن ہدیٰ ہے، اور اگر بطور عادت کے ہو تو وہ سنن زوائد ہے..... اور ہمارا کلام پہلی صورت کے بارے میں ہے (جو کہ سنت ہے نہ کہ مستحب) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیامن پر مواظبت دوسری قسم کے قبیل سے ہے۔

(ب) تشریح: مصنفؒ یہاں سے مستحبات وضو کا ذکر فرما رہے ہیں مستحب ان افعال کو کہتے ہیں جن کا ذکر کرنا مطلوب تو ہو لیکن ان کے نہ کرنے پر کوئی عقاب نہ ہو، مستحبات وضو میں مصنفؒ نے دو چیزوں کو ذکر فرمایا (۱) تیامن (۲) مسح رقبہ۔

فان قلت الخ: تیامن کے مستحب ہونے پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس کو سنت ہونا چاہئے کیوں کہ تیامن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مواظبت فرمائی ہے۔ اور اس بارے میں ایک بھی روایت نہیں ملتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بائیں جانب سے شروع کیا ہو، تو اس کے جواب میں مصنفؒ فرما رہے ہیں کہ جن افعال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مع ترک احیاناً مواظبت فرمائی ہے وہ دو طرح کے ہیں (۱) جو بطور عبادت کے ہوں اور ان کو سنن ہدیٰ کہا جاتا ہے یعنی سنت مؤکدہ جن کا کرنا مطلوب ہوتا ہے اور نہ کرنے پر ملامت ہوتی ہے، جیسے فجر کی دو رکعت سنت اور ظہر کی چار رکعت سنت (۲) وہ جو بطور عادت کے ہوں جن کا کرنا تو مطلوب ہوتا ہے لیکن نہ کرنے پر کوئی ملامت نہیں ہوتی ان کو سنن زوائد کہا جاتا ہے اور مستحبات بھی جیسا کہ کپڑا پہننا، سیدھے ہاتھ سے کھانا کھانا اور مسجد وغیرہ کے اندر داخل ہونے میں دایاں پیر مقدم کرنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیامن پر مواظبت اسی دوسری قسم کی

قبیل سے ہے جو کہ مستحب ہے نہ کہ سنت مؤکدہ۔ اور صاحب ہدایہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: ان الله يحب التيامن في كل شيء حتى التعل والترجل “ کو بطور دلیل کے پیش کیا ہے جو اس بات پر دال ہے کہ تیا من مستحب ہے سنت نہیں۔

شرح وقایہ صفحہ: ۲۵

وَنَاقِصُهُ مَا خَرَجَ مِنَ السَّبِيلَيْنِ سَوَاءً كَانَ مُعْتَادًا أَوْ غَيْرَ مُعْتَادٍ
كَالدُّودَةِ وَالرَّيْحِ الْخَارِجَةِ مِنَ الْقُبُلِ وَالذَّكْرِ ، وَفِيهِ اخْتِلَافٌ
الْمَشَائِخِ أَوْ مِنْ غَيْرِهِ إِنْ كَانَ نَجَسًا سَالَ إِلَى مَا يُطَهَّرُ.
(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) ضمیروں کے مراجع متعین کرتے
ہوئے شارح کے طرز پر مذکورہ متن کی تشریح کیجئے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور وضو کو توڑنے والی چیز وہ ہے جو سبیلین (قبل و دبر) سے نکلے۔ چاہے وہ معتاد ہو یا غیر معتاد ہو، جیسے کیڑا اور وہ ہوا جو قبل (عورت کی فرج) یا ذکر (مرد کی شرمگاہ) سے نکلے، اور اس میں مشائخ حنفیہ کا اختلاف ہے، یا سبیلین کے علاوہ سے نکلے، اگر وہ ناپاک ہو اور ایسی جگہ کی طرف بہہ پڑے جس کو پاک کیا جاتا ہو۔
(ب) تشریح: مصنف یہاں سے نواقض وضو کو بیان فرما رہے ہیں، ہمارے نزدیک خارج من السبیلین معتاد ہو جیسا کہ بول و برازیہ غیر معتاد ہو جیسے کیڑا اور قبل یا ذکر سے خارج ہونے والی ہوا ناقض وضو ہے۔
وفیه اختلاف المشائخ: فیہ کی ضمیر ریح کی طرف لوٹ رہی ہے، ریح اگر دبر سے خارج ہو تو اس کے ناقض وضو ہونے پر تمام اصحاب متفق ہیں، البتہ

اگر ریح قبل یا ذکر سے نکلے تو اس بارے میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے، بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ناقض وضو ہے، جیسا کہ امام قدوریؒ نے امام محمدؒ سے نقل کیا ہے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ناقض وضو نہیں ہے، جیسا کہ صاحب ہدایہ وغیرہ نے نقل کیا ہے، اور عدم نقض کی دلیل یہ بتلائی کہ یہ اختلاف ہے ریح نہیں ہے۔ اور غیر سمیلین سے نکلنے والی چیز اس شرط کے ساتھ ناقض وضو ہوگی کہ وہ ناپاک ہو اور ایسی جگہ کی طرف بہہ پڑے جس کا وضو یا غسل میں دھونا ضروری ہوتا ہو، لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غیر سمیلین سے نکلنے والی کوئی بھی چیز وضو کو نہیں توڑے گی، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنا لگوا یا پھر نماز پڑھ لی اور نماز پڑھنے سے پہلے نہ وضو کیا نہ پچھنا لگوانے کی جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ کو دھویا، اور حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی پھر وضو کیا تو میں نے پوچھا کیا قے سے وضو فرض ہو جاتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر قے سے وضو فرض ہوتا تو تو اس کو قرآن میں پاتا۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں احادیث کی سند ضعیف ہے، لہذا یہ دلیل کے قابل نہیں اس کے بالمقابل ہمارے نزدیک بخاری اور اصحاب سنن کی حدیث ہے کہ حضرت فاطمہ بنت جحشؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے حیض آتا ہی رہتا ہے میں پاک نہیں ہوتی ہوں، کیا میں نماز کو چھوڑ دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں یہ تو عرق یعنی رگوں کا خون ہے یہ حیض نہیں ہے، پس جب حیض آئے تو نماز کو چھوڑ دے اور جب حیض بند ہو جائے تو غسل کر کے نماز پڑھ لے، اور ہر وقت نماز کے لئے نیا وضو کر لیا کر یہاں تک کہ دوسرا وقت آجائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ یہ عرق ہے، اشارہ کرتا ہے اس بات کی طرف کہ وضو کو توڑنے میں عرق (رگوں کے خون) کو بھی دخل ہے۔

لیکن احقر کی رائے میں اس اختلافی مسئلہ میں یہ حدیث ہمارے لئے دلیل قاطعہ کی حیثیت نہیں رکھتی، کیوں کہ اختلاف خارج من غیر السبیلین میں ہے اور استخاضہ تو غیر سبیلین میں سے نہیں ہے، لہذا اس کے بجائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو دلیل میں پیش کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”من قاء اور عف فی صلوٰۃ فلینصرف ولیتوضأ ولین علی صلوٰۃ مالم یتکلم“ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ خارج من غیر السبیلین بھی ناقض وضو ہے۔

شرح وقایہ صفحہ: ۲۸

وَالْقِيءُ دَمًا رَقِيقًا اِنْ سَاوَى الْبُزَاقَ اَوْ مِرَّةً اَوْ طَعَامًا اَوْ مَاءً
اَوْ عَلَقًا اِنْ كَانَ مِلًّا الْفَمِ لَا بَلْعًا اَصْلًا وَيَنْقُضُ صَاعِدُهُ
مِلَّءَ الْفَمِ عِنْدَ اَبِي يُوسُفَ وَهُوَ يَعْتَبِرُ الْاِتِّحَادَ فِي
الْمَجْلِسِ وَمُحَمَّدٌ فِي السَّبَبِ فَيُجْمَعُ مَا قَاءَ قَلِيلاً قَلِيلاً.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مذکورہ مسائل کی الگ الگ تشریح کریں، نیز غلبہ دم کی صورت میں کیا حکم ہے تحریر کریں (ج) اور تے کے بارے میں اتحاد مجلس اور اتحاد سبب کی چاروں صورتیں حسب بیان شارح نقل کر کے ہر ایک کا حکم تحریر کریں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: (تے کا بیان) اور دم رقیق اگر تھوک کے برابر ہو (تو ناقض وضو ہوگا) یا پت یا کھانا یا پانی یا خون بستہ کی تے اگر منہ بھر کر ہو (تو وضو کو توڑ دے گی) نہ کہ خالص بلغم اور امام ابو یوسف کے نزدیک منہ بھر کر پیٹ سے چڑھنے

والا بلغم ناقض وضو ہے، اور امام ابو یوسفؒ اعتبار کرتے ہیں اتحاد مجلس کا اور امام محمدؒ اعتبار کرتے ہیں اتحاد سبب کا پس جمع کیا جائے گا اس قے کو جو تھوڑی تھوڑی کی ہو۔

(ب) **تشریح:** مصنف علیہ الرحمہ یہاں سے قے کے احکام بیان فرما رہے ہیں کیوں کہ قے مختلف طرح کی ہوتی ہیں لہذا اس کے احکام بھی مختلف ہوں گے کبھی تو قے خون بستہ کی ہوتی ہے اور کبھی صرف دانتوں سے خون رستا ہے جو کہ دم رقیق (پتلا خون) ہوتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر خون تھوک کے برابر ہو یا غالب ہو تو اس صورت میں یہ ناقض وضو ہوگا اور اگر تھوک خون پر غالب ہو اور خون کی وجہ سے تھوک زرد ہو جائے سرخ نہ ہو تو ناقض وضو نہ ہوگا، یا پھر قے پت کی ہوگی یا کھانے کی یا پانی کی یا خون بستہ کی تو اگر منہ بھر کے ہے تب تو ناقض وضو ہوگی ورنہ نہیں، لیکن قے اگر خالص بلغم کی ہو تو طرفین کے نزدیک ناقض وضو نہ ہوگی چاہے پیٹ سے چڑھی ہو یا سر سے اتری ہو، امام ابو یوسفؒ سر سے اترنے والی میں تو طرفین کے ساتھ ہیں یعنی ناقض وضو نہ ہوگی، لیکن پیٹ سے چڑھنے والی کو ناقض وضو کہتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ پیٹ نجاست کی جگہ ہے لہذا جو بلغم پیٹ سے چڑھے گا وہ اتصال کی وجہ سے نجس ہوگا، طرفین کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ بلغم ایک چکنی چیز ہے جس میں نجاست داخل نہیں ہو سکتی اور اگر کچھ نجاست بلغم کے ساتھ متصل بھی ہو تو وہ قلیل ہوگی اور قلیل ناقض وضو نہیں ہے۔

(ج) **وهو يعتبر الاتحاد الخ:** یہاں سے مصنف ایک نیا مسئلہ بیان فرما رہے ہیں کہ اگر کسی آدمی کو تھوڑی تھوڑی مقدار میں مختلف مرتبہ قے ہوئی جو کہ منہ بھر کر نہیں ہے لیکن اگر اس مختلف قے کو جمع کیا جائے تو منہ بھر کر ہو جائے تو اس مسئلے میں امام ابو یوسفؒ اتحاد مجلس کا اعتبار کرتے ہیں یعنی یہ مختلف قے اگر ایک ہی مجلس میں ہوئی ہے تب تو اس کو جمع کیا جائے گا اگر منہ بھر کی مقدار ہو تو ناقض وضو ہوگی اور

امام محمدؒ اتحاد سبب کا اعتبار کرتے ہیں یعنی متلی کا کہ اگر یہ مختلف تے ایک ہی متلی سے ہو تو اس کو جمع کیا جائے گا اگر منہ بھر کی مقدار ہو تو ناقض وضو ہوگی، اب اس مسئلہ کی کل چار صورتیں ہونگی، دو اتفاقی، دو اختلافی (۱) مجلس بھی ایک ہی ہو اور ایک ہی متلی سے مختلف تے ہو تو بالاتفاق دونوں کے نزدیک جمع کیا جائے گا اور منہ بھر کی مقدار ہو تو ناقض وضو ہوگی، (۲) مجلس بھی الگ الگ ہو اور متلی بھی الگ الگ ہو تو بالاتفاق جمع نہیں کیا جائے گا۔ (۳) ایک ہی مجلس میں ہو لیکن الگ الگ متلی سے ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جمع کیا جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک جمع نہیں کیا جائے گا (۴) تے الگ الگ مجلس میں ہو لیکن متلی ایک ہی ہو تو اس صورت میں امام محمدؒ کے نزدیک جمع کیا جائے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جمع نہیں کیا جائے گا۔ یہ مسئلہ کی ترتیب وار اتفاقی و اختلافی چاروں صورتیں ہوں۔

شرح وقایہ صفحہ: ۱۷

(وَ الْإِغْمَاءُ وَالْجُنُونُ) عَلَى أَيْ هَيْئَةٍ كَانَا وَيَدْخُلُ فِي
الْإِغْمَاءِ السَّكْرُ وَحَدُّهُ هُنَا أَنْ يَدْخُلَ فِي مَشْيِهِ تَحَرُّكٌ
، وَهُوَ الصَّحِيحُ (وَقَهْقَهَةُ مُصَلٍّ بَالِغٍ يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ)
وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ فِي صَلَاةٍ ذَاتِ رُكُوعٍ وَسُجُودٍ حَتَّى لَوْ
فَقَّهَةٌ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ أَوْ سَجْدَةِ التَّلَاوَةِ لَا يَنْقُضُ الْوُضُوءَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) اغماء، جنون اور سکر کی تعریف قلمبند کیجئے (ج) مطلب لکھئے نیز قہقہہ اور ضحک کا فرق بیان کرتے ہوئے بتائیے کہ نماز میں قہقہہ کے ناقض وضو ہونے کے لئے ”ذات رکوع و سجود“ کی قید کیوں لگائی؟ وہو الصحيح سے کس قول سے احتراز کیا گیا ہے؟

الجواب:

(الف) ترجمہ: بے ہوشی اور جنون (وضو کو توڑنے والی ہے) چاہے جس حالت میں ہو اور بے ہوشی میں نشہ بھی داخل ہے، اور نشہ کی حد یہ ہے کہ اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ آجائے اور یہی صحیح ہے (اور وضو کو توڑتا ہے) بالغ مصلی کا قہقہہ جو رکوع و سجدہ کرتا ہو، اور اس کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسی نماز میں ہو جو رکوع و سجدہ والی ہو، یہاں تک کہ اگر کسی نے نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت میں قہقہہ لگایا تو یہ قہقہہ وضو کو نہیں توڑے گا۔

(ب) اغماء: بمعنی بے ہوشی ہے، یہ قوی کی کمزوری کے باعث ایک قسم کے مرض کا حملہ ہے اس سے عقل زائل نہیں ہوتی بلکہ یہ سائر عقل ہے یعنی عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔
جنون: یہ بھی قوی کی کمزوری کے باعث ایک قسم کا مرض ہے اور اس میں عقل زائل ہو جاتی ہے، اختیار اور استعمال قدرت کے سلسلے میں اغماء و جنون دونوں نیند کی طرح ہیں بلکہ نیند سے زیادہ شدید اثر ہوتا ہے (شرح الوقایہ حاشیہ ۶)
سکر: سکروہ حالت ہے کہ جو شراب یا نشہ آور چیز پینے کے بعد ان کے بخارات معدہ سے اٹھ کر دماغ کو متاثر کر دے۔ (شرح الوقایہ حاشیہ ۸)

(ج) تشویج: بے ہوشی اور پاگل پن ہر حالت میں وضو کو توڑنے والے ہیں اسی طرح نشہ بھی وضو کو توڑ دے گا، البتہ وضو کو توڑنے والے نشہ کی حد یہ ہے کہ اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہو جائے، شارح نے اسی قول کو اصح قرار دے کر اس قول سے احتراز کیا ہے جو فتاویٰ قاضی خاں میں منقول ہے کہ وضو کو توڑنے میں بھی نشہ کی اس حد کا اعتبار ہوگا جو سکر کی حد میں معتبر ہے کہ وہ شخص کسی بھی چیز میں تمیز نہ کر سکے کہ زمین کیا ہے؟ آسمان کیا ہے؟۔

وفقهة مصطلح الخ : قہقہہ اور صُحک میں فرق یہ ہے کہ قہقہہ میں خود کو بھی سنائی دیتا ہے اور پاس والے کو بھی، اور صُحک میں خود کو تو سنائی دیتا ہے لیکن پاس والے کو سنائی نہیں دیتا، یہ نماز کو تو توڑ دے گی لیکن وضو کو نہیں توڑے گی۔

قہقہہ کے ناقض ہونے میں جو شرطیں بیان کی گئی ہیں وہ اس وجہ سے ہیں کہ قہقہہ کا ناقض وضو ہونا حدیث سے خلاف قیاس ثابت ہے، حدیث کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک آدمی جس کی نگاہ کمزور تھی آیا اور گڑھے میں گر پڑا جسے دیکھ کر لوگ ہنسنے لگے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قہقہہ لگایا ہو وہ وضو اور نماز دہرائے، اس حدیث کی بناء پر نماز میں قہقہہ کو ناقض وضو مانا گیا ہے جو کہ خلاف قیاس ہے اور جو حکم خلاف قیاس ہو وہ اپنے مورد پر ہی منحصر ہوتا ہے اس کے آگے قیاس درست نہیں ہوتا اور چوں کہ اس حدیث کا مورد بالنعوں کے رکوع و سجدہ والی نماز ہے، لہذا اس حکم کو اسی شرط پر منحصر رکھا جائے گا، اسی لئے بچہ اگر نماز میں قہقہہ مارے یا کوئی بالغ نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت میں قہقہہ مارے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ جو حکم خلاف قیاس ثابت ہو وہ اپنے مورد پر ہی منحصر رہتا ہے اس پر کسی دوسری چیز کو قیاس کرنا درست نہیں ہوتا، اسی لئے مصنفؒ نے نماز میں قہقہہ کے ناقض وضو ہونے کے لئے ”ذات رکوع و سجود“ کی قید لگائی۔



شرح وقایہ صفحہ: ۷۳

وَأَمَّا ثَقْبُ الْقُرْطِ فَإِنْ كَانَ الْقُرْطُ فِيهَا فَإِنْ غَلَبَ فِي ظَنِّهِ
أَنَّ الْمَاءَ لَا يَصِلُ مِنْ غَيْرِ تَحْرِيكٍ فَلَا بُدَّ مِنْهُ، وَإِنْ لَمْ
يَكُنِ الْقُرْطُ فِيهَا فَإِنْ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّ الْمَاءَ يَصِلُ مِنْ
غَيْرِ تَكْلُفٍ لَا يَتَكَلَّفُ وَإِنْ غَلَبَ أَنَّهُ لَا يَصِلُ إِلَّا بِتَكْلُفٍ
يَتَكَلَّفُ وَإِنْ انْضَمَّ الثُّقْبُ بَعْدَ نَزْعِهِ وَصَارَ بِحَالٍ إِنْ أَمَرَ
عَلَيْهَا الْمَاءَ يَدْخُلُهَا وَإِنْ غَفَلَ لَا يَدْخُلُهَا أَمَرَ الْمَاءَ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) مطلب لکھتے ہوئے تمام مسائل نمبر وار
الگ الگ لکھئے (ج) بتائیے کہ اگر انگلی میں تگ انگوٹھی ہو تو اس کے نیچے پانی پہنچانے
کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور بہر حال بالی کا سوراخ اگر بالی اس میں ہو اور اس کو
غالب گمان یہ ہو کہ بغیر حرکت دیئے ہوئے پانی اس میں نہیں جائے گا تو حرکت دینا
ضروری ہوگا، اور اگر اس میں بالی نہ ہو پس اگر اس کو یہ غالب گمان ہو کہ پانی بغیر
تکلف کے پہنچ جائے گا تو تکلف نہ کرے اور اگر یہ گمان ہو کہ بغیر تکلف کے نہیں پہنچے گا
تو تکلف کرے، اور اگر بالی نکالنے کے بعد سوراخ مل جائے اور اس طرح ہو جائے
کہ اگر اس پر اچھی طرح پانی بہائے تو پانی داخل ہوگا اور اگر غفلت برتی تو پانی داخل
نہیں ہوگا تو اچھی طرح پانی بہائے۔

(ب) تشریح: عبارت سے مسئلہ بالکل واضح ہے کہ عورت یا مرد جس کے
کان یا ناک میں سوراخ ہو تو اس میں پانی پہنچانا ضروری ہے اور پانی پہنچانے کے

واسطے اگر بالی کو ہلانے کی یا اور طرح سے تکلف کی ضرورت خود محسوس کرے تو بالی کو ہلا کر یا دوسری طرح تکلف کر کے پانی پہنچانا ہوگا، وضو کے اندر ناک کے سوراخ میں بھی پانی پہنچانا ہوگا۔

اور اگر بالی نکال لی جائے اور اس کا سوراخ ایسی حالت میں رہے کہ پانی پہنچانے سے پہنچتا ہے اور غفلتی سے نہیں پہنچتا ہے تو پانی پہنچانا ضروری ہوگا اور پانی پہنچانے کے لئے اس سوراخ میں کوئی تنکا داخل کرنا پڑے تو یہ ایک تکلف ہے لہذا اس تکلف کی چنداں ضرورت نہیں یوں ہی پانی پہنچائے۔

(ج) اگر کسی شخص کے انگلی میں تنگ انگوٹھی ہو تو اس کے نیچے تک پانی پہنچانے کے لئے انگوٹھی کو حرکت دینا واجب ہے۔

شرح وقایہ صفحہ: ۷۴

وَيَجِبُ عَلَى الْأَقْلَفِ إِدْخَالُ الْمَاءِ دَاخِلَ الْقُلْفَةِ، وَإِنْ نَزَلَ الْبَوْلُ إِلَيْهَا وَلَمْ يَخْرُجْ عَنْهَا نَقَضَ الْوُضُوءَ هَذَا عِنْدَ بَعْضِ الْمَشَائِخِ فَلَهَا حُكْمُ الظَّاهِرِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ وَعِنْدَ الْبَعْضِ لَا يَجِبُ إِصْصَالُ الْمَاءِ إِلَيْهَا فِي الْغُسْلِ مَعَ أَنَّهُ يَنْقُضُ الْوُضُوءَ إِذَا نَزَلَ الْبَوْلُ إِلَيْهَا فَلَهَا حُكْمُ الْبَاطِنِ فِي الْغُسْلِ وَحُكْمُ الظَّاهِرِ فِي انْتِقَاضِ الْوُضُوءِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) دونوں مسئلوں کی تشریح کرتے ہوئے مشائخ کے اختلاف کو واضح کیجئے۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور اقلف پر واجب ہے قلفہ کے اندر پانی داخل کرنا اور اگر

پیشاب اتر آئے قلفہ میں اور پیشاب اس سے باہر نہیں نکلا تو وضو ٹوٹ جائے گا اور یہ بعض مشائخ کے نزدیک ہے، پس اس کے لئے ہر اعتبار سے ظاہر بدن کا حکم ہے اور بعض کے نزدیک قلفہ میں پانی پہنچانا واجب نہیں ہے غسل کے اندر باوجودیکہ وہ وضو کو توڑ دیتا ہے جب پیشاب قلفہ میں اتر آئے پس اس کے لئے غسل میں باطن کا حکم ہے اور وضو کے ٹوٹنے میں ظاہر بدن کا حکم ہے۔

(ب) تشریح: **اقلف**: وہ شخص جس کی ختنہ نہ ہوئی ہو، اور قلفہ اس کھال کو کہتے ہیں جو ختنہ میں کاٹ دی جاتی ہے، قلفہ کے اندرونی حصے کے بارے میں ہمارے مشائخ کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس کو من کل وجہ ظاہر جسم کا حکم ہے غسل میں بھی اور وضو کے توڑنے میں بھی، لہذا غسل میں قلفہ کے اندر پانی داخل کرنا واجب ہے اور اگر پیشاب قلفہ میں اتر آتا ہے اگرچہ اس کے باہر نہ نکلے تب بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

اور بعض مشائخ اس کو من وجہ باطن جسم اور من وجہ ظاہر جسم مانتے ہیں لہذا غسل میں باطن جسم مانتے ہیں اور قلفہ میں پانی پہنچانے کو واجب قرار نہیں دیتے ہیں، اور وضو کے ٹوٹنے میں ظاہر جسم مانتے ہیں، لہذا پیشاب اگر قلفہ میں اتر آتا ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا، البدائع میں قول اول کو صحیح قرار دیا گیا ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اگر قلفہ الٹنے سے الٹ جاتا ہے اور حشفہ ظاہر ہو جاتا ہے تب تو قلفہ میں پانی کا پہنچانا واجب ہوگا اور اگر قلفہ الٹنا نہ ہو تو پھر واجب نہ ہوگا۔



شرح وقایہ صفحہ: ۷۵

وَلَيْسَ عَلَى الْمَرْأَةِ نَقْضُ ضَفِيرَتِهَا وَلَا بَلُّهَا إِذَا ابْتَلَى
أَصْلُهَا خَصَّ الْمَرْأَةَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَأَمَّ سَلَمَةُ
يَكْفِيكَ إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ أَصُولَ شَعْرِكَ وَيَجِبُ عَلَى
الرَّجُلِ نَقْضُهَا وَقِيلَ إِذَا كَانَ الرَّجُلُ مُضَفَّرَ الشَّعْرِ كَمَا
لُغْلَوِيَّةٍ وَالْأَتْرَاكِ لَا يَجِبُ وَالْأَحْوِطُ أَنْ يَجِبَ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) مطلب لکھئے اور بتائیے کہ غسل میں
مرد کے لئے اپنی چوٹی کھولنا کیوں ضروری ہے؟ علوی اور اتراک سے کون مراد ہیں
اور ان کا چوٹی کھولنا کیوں ضروری نہیں ہے۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور عورت پر اپنے بالوں کی چوٹی کو کھولنا اور اس کو ترک کرنا
ضروری نہیں ہے جب کہ اس کی جڑیں تر ہو جائیں، مانتن نے عورت کو خاص کیا ہے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے جو ام سلمہؓ سے فرمایا تھا کہ کافی ہے
تیرے لئے جب کہ پانی تیرے بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے، اور مرد پر بالوں کی
چوٹی کو کھولنا واجب ہے، اور کہا گیا ہے کہ جب مرد گندھے ہوئے بالوں والا ہو، جیسے
علوی اور اتراک تو اس پر بالوں کا ترک کرنا واجب نہیں ہے اور زیادہ احتیاط اس میں ہے
کہ واجب ہو۔

(ب) تشریح: علوی: وہ حضرات ہیں جو حضرت علیؓ کی اولاد میں ہیں لیکن
حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں نہ ہوں، اور اتراک جمع ہے ترک کی جیسے عورت، بمعنی
اہل ترک۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں پر غسل کے وقت اپنی بندھی ہوئی چوٹیوں کا کھولنا واجب نہیں ہے، حدیث ام سلمہؓ کی بناء پر لیکن اگر مرد کی چوٹی گندھی ہوئی ہے تو اس پر چوٹی کا کھولنا واجب ہوگا، لیکن بعض مشائخ یوں فرماتے ہیں کہ اگر مرد گندھے ہوئے بالوں والا ہو علویوں اور ترکوں کی طرح تو عورتوں پر قیاس کرتے ہوئے ان پر بھی چوٹی کا کھولنا اور اس کو بھگوننا واجب نہ ہوگا اس لئے کہ اس میں حرج ہے، لیکن مصنفؒ فرماتے ہیں کہ احتیاط اسی میں ہے کہ واجب ہو، اور ہمارے بعض مشائخ عورتوں کے بارے میں بھی یہ فرماتے ہیں کہ اس پر اپنے بالوں کو ترک کرنا ضروری ہے، اس کو حسن ابن زیاد نے امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے لیکن زیاد صحیح قول وہی ہے جو اوپر گزرا۔ یہ اختلاف اس صورت میں تھا جب کہ عورت کی چوٹی بندھی ہوئی ہو اور اگر اس کے بال کھلے ہوں تو پھر بھی کے نزدیک بالوں کے درمیان پانی پہنچانا واجب ہوگا، جس طرح داڑھی میں پہنچانا ضروری ہے، لعدم الحرج۔



شرح وقایہ صفحہ: ۷۹

لَا بِمَا اغْتَصَرَ: الرَّوَايَةُ بِقَصْرٍ مِّنْ شَجَرٍ أَوْ ثَمَرٍ، أَمَّا مَا يَقْطَرُ مِنَ الشَّجَرِ فَيَجُوزُ بِهِ الْوُضُوءُ، وَلَا بِمَاءٍ زَالَ طَبْعُهُ بِغَلْبَةِ غَيْرِهِ أَجْزَاءً، الْمُرَادُ بِهِ أَنْ يُخْرِجَهُ مِنْ طَبْعِ الْمَاءِ وَهُوَ الرِّقَّةُ وَالسَّيْلَانُ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) مطلب لکھتے ہوئے بتائیے کہ ”الرواية بقصر ما“ سے مصنف کیا کہنا چاہتے ہیں؟ (ج) اجزاء سے کس جانب اشارہ کرنا مقصود ہے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: وضو جائز نہیں ہے ایسی چیز سے جس کو نچوڑا گیا ہو، روایت ما کے قصر کے ساتھ ہے، کسی درخت یا پھل سے۔ رہا وہ پانی جو درخت سے ٹپکتا ہو تو اس سے وضو کرنا جائز ہے، اور ایسے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے جس کی طبیعت غلبہ غیر سے ختم ہو چکی ہو، اجزاء کے اعتبار سے، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ پانی کو اس کی طبیعت جو کہ رقت اور سیلان ہے اس سے نکال دے۔

(ب) تشریح: اس سے پہلے مصنفؒ نے اس پانی کا تذکرہ فرمایا تھا جس سے وضو کرنا جائز تھا، اب ایسے پانی کا ذکر فرما رہے ہیں جس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ فرمایا: **ولا بما اعتصر**: اس میں دو روایتیں ہیں (۱) ما کے قصر کے ساتھ تو اس صورت میں ماموصولہ ہوگا، (۲) اس کو بماء پڑھنا بھی درست ہے، اس صورت میں ترجمہ ہوگا، اور اس پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے جس کو کسی درخت یا پھل سے نچوڑا گیا ہو، کیوں کہ یہ ماء مطلق نہیں کہلاتا ہے بلکہ مقید کہلاتا ہے، اور اس کا نام بھی بدل جاتا ہے جیسا کہ گئے سے نچوڑا ہوا پانی اس کو گئے کا رس کہتے ہیں اور پھل وغیرہ سے جو پانی نکالا جاتا ہے اس کو جوس یا شربت کہتے ہیں، لہذا ان پانیوں سے وضو کرنا جائز نہ ہوگا۔

اما ما یقطر من الشجر الخ: یعنی وہ پانی جو کسی درخت سے نکالے بغیر خود ہی قطرہ قطرہ نکلے تو اس سے وضو درست ہے، ہدایہ وغیرہ میں اسی کو مختار کہا گیا ہے، لیکن صاحب البحر، النہر الحلیہ وغیرہ نے اس سے وضو درست نہ ہونے کو ترجیح دی ہے، کیوں کہ وہ مقید پانی ہے، احقر کا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ اس سے وضو درست نہ ہونا چاہئے۔

وَلَا بِمَاءٍ زَالٍ طَبْعُهُ: یہاں سے پانی سے وضو کے جائز نہ ہونے کی دوسری صورت بیان فرما رہے ہیں کہ اگر ماء مطلق کے ساتھ کوئی چیز مل جائے اور اس پر اجزاء کے اعتبار سے غالب آجائے اور وہ پانی کی طبیعت جو کہ بہنا اور پتلا پن ہے اس کو بھی ختم کر دے، جیسا کہ لوہا کا پانی، یا پکانے کی وجہ سے اس کی صفت ختم ہو جائے جیسا کہ شور بہ وغیرہ تو اس سے وضو جائز نہ ہوگا۔

(ج) اجزاء الف: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پانی میں ملنے والے اجزاء کا وہ غلبہ مراد ہے جو کہ پانی کو اس کی اصلی طبیعت سے نکال دے اور اسے غیر طبعی حالت میں لے جائے اور اس کے سیلان و پتلا پن کو متاثر کر دے، یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک رنگ کے لحاظ سے غلبہ کا اعتبار ہوگا۔



شرح وقایہ صفحہ ۸۲

وَلَا بِمَاءٍ أُسْتَعْمَلُ لِقُرْبَةٍ أَوْ رَفَعِ حَدِّهِ إِنْ فِي الْمَاءِ
الْمُسْتَعْمَلِ اخْتِلَافَاتٍ ، الْأَوَّلُ فِي أَنَّهُ بَأَى شَيْءٍ يَصِيرُ
مُسْتَعْمَلًا فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ بِإِزَالَةِ الْحَدِّ
وَأَيْضًا بِنِيَّةِ الْقُرْبَةِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ بِالثَّانِي فَقَطُّ وَعِنْدَ
الشَّافِعِيِّ بِإِزَالَةِ الْحَدِّ لَكِنْ إِزَالَةُ الْحَدِّ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا
بِنِيَّةِ الْقُرْبَةِ عِنْدَهُ.

(الف) عبارت مع اعراب و ترجمہ لکھتے (ب) محدث بغیر نیت کے وضو کرے، یا غیر محدث نیت کے ساتھ وضو کرے تو اس پانی کا کیا حکم ہے؟ مع اختلاف

ائمہ لکھئے، نیز پانی کب مستعمل ہوتا ہے اور ماء مستعمل کا کیا حکم ہے؟ ائمہ کے اختلاف کے ساتھ تحریر کریں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور نہ اس پانی سے وضوء کرنا جائز ہے جو قربت یا رفعِ حدث کے لئے استعمال کیا گیا ہو، جان لو کہ ماء مستعمل میں بہت سارے اختلافات ہیں، پہلا اختلاف یہ ہے کہ پانی کس چیز سے مستعمل ہوتا ہے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حدث کے زائل کرنے اور قربت کی نیت سے بھی (مستعمل ہو جائے گا) اور امام محمدؒ کے نزدیک صرف نیتِ قربت سے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک ازالہِ حدث سے، لیکن ان کے نزدیک ازالہِ حدث بغیر نیتِ قربت کے متحقق نہیں ہو سکتا۔

(ب) تشریع: (و لا ای لا يجوز الوضوء)

حدث بغیر نیت کے وضوء کرے یا غیر حدث نیت کے ساتھ وضوء کرے دونوں صورتوں میں پانی مستعمل ہو جائے گا، شیخینؒ کے نزدیک۔

مصنفؒ نے ماء مستعمل کے تعلق سے تین طرح کے اختلافات کا تذکرہ فرمایا ہے، ان اختلافات کی تفصیل جاننے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اختلاف کس ماء مستعمل میں ہے، کیوں کہ پانی کا استعمال تین طرح سے ہوتا ہے۔

(۱) کسی پاک چیز کو دھونے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے کہ کوئی پاک کپڑا یا غلہ وغیرہ دھونے کے لئے استعمال کیا گیا ہو تو یہ پانی بالاتفاق پاک ہے۔

(۲) نجاستِ حقیقیہ کو زائل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے مثلاً استنجاء اور نجس کپڑے وغیرہ کو دھونے کے لئے تو یہ پانی بالاتفاق ناپاک ہے۔

(۳) نجاستِ حکمیہ کو زائل کرنے یا قربت و ثواب حاصل کرنے کے ارادہ سے

استعمال کیا جاتا ہے تو یہ وہ ماء مستعمل ہے جس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

پہلا اختلاف: تو سبب میں ہے کہ کس سبب سے پانی مستعمل ہوتا ہے، شیخینؒ کے نزدیک تو ازالہ حدث اور نیت قربت دونوں سے پانی مستعمل ہو جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک صرف نیت قربت سے مستعمل ہوگا، اور امام شافعیؒ کے نزدیک اصل تو ازالہ حدث سبب ہے، لیکن ان کے نزدیک ازالہ حدث بغیر نیت قربت کے نہیں ہو سکتا۔

دوسرا اختلاف: وقت میں ہے کہ پانی پر مستعمل ہونے کا حکم کس وقت لگے گا، اس میں تو سب متفق ہیں کہ پانی جب تک عضو پر ہے وہ مستعمل نہیں ہے، عضو سے جدا ہونے کے بعد بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ جدا ہونے کے بعد جب تک وہ پانی کسی جگہ ٹھہرے نہیں تب تک وہ مستعمل نہیں ہوگا کسی جگہ یا برتن میں ٹھہرنے کے بعد اس پر مستعمل ہونے کا حکم لگے گا، اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ عضو سے جیسے ہی جدا ہو جائے تو اس پر مستعمل ہونے کا حکم لگ جائے گا اسی کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے۔

تیسرا اختلاف: حکم میں ہے کہ ماء مستعمل کا کیا حکم ہے؟ تو امام ابو حنیفہؒ اس کو نجس، نجاست غلیظہ مانتے ہیں، اور امام ابو یوسفؒ نجس، نجاست خفیفہ مانتے ہیں، اور امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ وہ طاہر یعنی پاک تو ہے لیکن طہور یعنی پاک کرنے والا نہیں ہے، امام شافعیؒ کا قول جدید بھی یہی ہے، اور امام مالکؒ اس کو طاہر و مطہر کہتے ہیں (پاک و پاک کرنے والا) اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

اس کے جواب میں صاحب کتاب نے یہ فرمایا کہ اگر ماء مستعمل طاہر و مطہر ہوتا تو سفر میں اس سے وضوء کرنا اور اس کو پینا جائز ہوتا حالاں کہ ایسا کسی نے بھی نہیں کہا ہے، اور یہ بات بھی سچ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو سفر میں

بہت سی مرتبہ پانی کی قلت کا سامنا ہوا کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماء مستعمل کو جمع کرنے کا حکم نہیں فرمایا جس سے اس کا طہور نہ ہونا سمجھ میں آتا ہے، اور یہ بات بھی برحق ہے کہ صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مستعمل پانی کو لینے کے لئے دوڑتے تھے اور اس کو اپنے چہرہ و بدن پر ملتے تھے اگر وہ ناپاک ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور منع فرماتے جیسا کہ ابو طیبہ حجام کو اپنا خون پینے سے منع فرمایا تھا۔

لہذا سب سے بہتر قول یہ ہے کہ ماء مستعمل طاہر تو ہو لیکن مطہر نہ ہو۔



شرح وقایہ صفحہ: ۸۴

(وَمَا طَهَّرَ جِلْدَهُ بِالْذَّبْحِ طَهَّرَ بِالذَّكَاءِ وَكَذَا لَحْمُهُ وَإِنْ لَمْ يُؤْكَلْ وَمَا لَا فَلَاحِ أَيُّ مَا لَمْ يَطْهَرِ جِلْدُهُ بِالْذَّبْحِ لَا يَطْهَرُ بِالذَّكَاءِ) (وَشَعْرُ الْمَيْتَةِ وَعَظْمُهَا وَعَصَبُهَا وَخَافِرُهَا وَقَرْنُهَا وَشَعْرُ الْإِنْسَانِ وَعَظْمُهَا طَاهِرٌ وَيَجُوزُ صَلَاةٌ مَنْ أَعَادَ سَنَةً إِلَى فَمِهِ وَإِنْ جَاوَزَ قَدَّرَ الدَّرْهَمَ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) مطلب لکھئے، ”وما طهر جلده الخ وكذا لحمه الخ اور وما لا فلا“ تینوں قسموں کی مثالیں بھی پیش کیجئے۔
(ج) اور بتائیے کہ ذکاۃ سے کیا مراد ہے؟

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور جس جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ ذبح کرنے سے بھی پاک ہو جاتی ہے، اسی طرح اس کا گوشت بھی (پاک ہو جائے گا) اگرچہ وہ کھایا نہ جائے، اور جس کا پاک نہیں ہوتا تو وہ نہیں (یعنی جس کا چمڑہ

دباغت سے پاک نہیں ہوتا وہ ذبح کرنے سے بھی پاک نہ ہوگا) اور مردار کا بال اور اس کی ہڈی اور اس کا پٹھا اور اس کے کھر اور اس کی سینگ اور انسان کے بال و ہڈی پاک ہیں، اور اس شخص کی نماز جائز ہے جس نے اپنے دانت اپنے منہ میں لوٹا لئے ہوں اگرچہ وہ قدر درہم سے تجاوز کر جائے۔

(ب) **تشریح:** جس جانور کا چمڑہ دباغت دینے سے پاک ہو جاتا ہے اس کا چمڑہ ذبح کرنے سے بھی پاک ہو جائے گا جیسے گائے، بکری، بیل، بھینس، کیوں کہ ذبح کرنا رطوباتِ نجسہ کو اسی طرح زائل کر دیتا ہے جیسے کہ دباغت، اور جس کا چمڑا دباغت سے پاک نہیں ہوتا جیسے کہ خنزیر اس کو ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوگا، البتہ ذبح سے وہ ذبح مراد ہے جو شریعت کی نگاہ میں صحیح ہو یعنی کوئی مسلمان یا کتابی (یہودی و نصرانی) بسم اللہ الرحمن الرحیم کو جان بوجھ کر نہ چھوڑتے ہوئے ذبح کرے، اگر یہ لوگ عدا ترک بسم اللہ کریں یا کوئی مجوسی وغیرہ ذبح کرے تو وہ پاک نہ ہوگا۔

وشعر المیتة: میتہ سے خنزیر مستثنیٰ ہے کیوں کہ وہ نجس العین ہے اس کی ہر چیز زندہ و مردہ دونوں حالتوں میں ناپاک ہی ہے، البتہ دوسرے میتہ میں بال، ہڈی، پٹھے، کھر اور سینگ وغیرہ کے ناپاک نہ ہونے یعنی پاک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں خون سرایت نہیں کرتا، اور میتہ کے حرام ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان میں خون سرایت کر جاتا ہے جو کہ ناپاک ہے اس کی وجہ سے میتہ بھی ناپاک ہو جاتا ہے، اور بال ہڈی وغیرہ ان چیزوں میں خون سرایت نہیں کرتا ہے، اس لئے یہ چیزیں پاک ہی رہیں گی ناپاک نہ ہوں گی۔

وشعر الانسان وعظمه: انسان کے بال اور اس کی ہڈی بھی پاک ہے اور چوں کہ دانت بھی ہڈی ہی کی ایک قسم ہے، لہذا وہ بھی پاک ہے، چنانچہ اگر کسی کے دانت گر گئے ہوں پھر اس نے دانت بٹھالے یا دانتوں کا چوکرٹا بیٹھا لیا تو اس کے ساتھ وہ نماز پڑھ سکتا

ہے اگرچہ قدر درہم سے زائد ہو، لیکن امام محمد قدر درہم سے زائد میں اختلاف فرماتے ہیں۔
(ج) الذکاة: والمراد بالذکاة ان یذبح المسلم او الکتابی من غیر ان یتربک التسمیة عامداً.



شرح وقایہ صفحہ: ۸۵

وَسُورُ الْأَدْمَى وَالْفَرَسِ وَكُلُّ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ، وَ
الْكَلْبِ وَالْخِنْزِيرِ وَسَبَاعِ الْبَهَائِمِ نَجَسٌ، وَالْهَرَّةُ
وَالدَّجَاجَةُ الْمُخَلَّاةُ وَسَبَاعِ الطَّيْرِ وَسَوَاكِنِ الْبُيُوتِ
مَكْرُوهَةٌ وَالْحِمَارُ وَالْبُغْلُ مَشْكُوكٌ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَيَتِيمَمُّ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) عبارت میں مذکورہ تمام مسائل کی وضاحت کیجئے، نیز بتائیے کہ مشکوک کسے کہتے ہیں اور گدھے، خچر کے جھوٹے کے مشکوک ہونے کی وجہ کیا ہے؟

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور آدمی اور گھوڑے اور ہر ما کول اللحم جانور کا جو ٹھاپاک ہے، اور کتے اور خنزیر اور پھاڑ کھانے والے جانوروں کا جھوٹا ناپاک ہے، اور بلی اور باہر پھر نے والی مرغی اور پھاڑ کھانے والے پرندوں اور گھر میں رہنے والے جانوروں کا جھوٹا مکروہ ہے، اور گدھے اور خچر کا جھوٹا مشکوک ہے کہ اس سے وضوء کرے اور تیمم کرے۔

(ب) تشریح: سؤد: کھانے پینے کے بعد جوٹی برتن میں باقی رہ جائے اس کو سؤر کہتے ہیں، اردو میں اس کو جوٹھایا جھوٹا کہتے ہیں، مصنف یہاں سے اس پانی کے احکام بیان فرما رہے ہیں جو برتن سے منہ لگا کر پینے کے بعد بیچ جائے تو فرمایا کہ

آدمی کا جوٹھا اس میں مرد و عورت، بچہ بوڑھا، مسلم و کافر سب ہی داخل ہیں سبھی کے جوٹھے کا حکم ایک ہی ہے، البتہ اگر کوئی شراب پی کر فوراً پانی پی لے تو اس کا جوٹھا ناپاک ہوگا، اسی طرح گھوڑے اور ماکول اللحم جانوروں کا جوٹھا بھی پاک ہے، اصل اس باب میں یہ ہے کہ جوٹھے پانی میں لعاب مل جاتا ہے اور لعاب گوشت کی پیداوار ہے، لہذا جس کا گوشت پاک اس کا لعاب بھی پاک اور پانی میں پاک چیز مل جائے تو اس سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا وہ پانی پاک ہی رہے گا، البتہ خنزیر اور پھاڑ کھانے والے جانوروں کا گوشت ناپاک ہے، اس لئے ان کا لعاب بھی ناپاک اور ناپاک چیز کے ملنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا، اور بلی وغیرہ کا جوٹھا بھی ناپاک ہی ہونا چاہئے تھا لیکن وہ گھروں میں بار بار آتی جاتی رہتی ہے، لہذا ان سے بچاؤ ناممکن ہے، اسی وجہ سے دفع حرج کے لئے اس کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا بلکہ مکروہ ہونے کا حکم لگایا، اور گدھے و خچر کے تعلق سے روایات مختلف ہیں جن میں آپس میں تضاد بھی ہے، لہذا ان کے جوٹھے کو مشکوک قرار دیا، اور گدھے سے مراد پالتو گدھا ہے، البتہ جنگلی گدھا تو اس کا جوٹھا پاک ہے اور اس کا گوشت بھی حلال ہے۔

یتوضأ به یتیم: میں مصنف یہ بتلا رہے ہیں کہ اگر صرف ماء مشکوک ہو، اور دوسرا پانی موجود نہ ہو تو حکم یہ ہوگا کہ پہلے ماء مشکوک سے وضوء کر لیا جائے اور اس کے بعد یتیم کر لیا جائے، البتہ اگر پانی موجود ہو اور اس کے سواء کوئی دوسرا پانی موجود نہ ہو تو حکم یہ ہے کہ اس پانی سے وضوء کر لے یتیم نہ کرے۔

مشکوک: یعنی جس کے پاک اور ناپاک ہونے میں شک ہو، اور کسی ایک جانب کو ترجیح حاصل نہ ہو۔

گدھے اور خچر کے جھوٹے کے مشکوک ہونے کی وجہ روایات کا اختلاف اور ان کا آپس میں متضاد ہونا ہے۔

شرح وقایہ صفحہ: ۸۷

وَأَمَّا فِي غَيْرِ مَا كُؤِلِ اللَّحْمِ فَلِأَنَّهُ لَمْ يُؤْجَدِ إِلَّا خِتِلَاطُ
وَالْحُرْمَةُ الْمُجَرَّدَةُ غَيْرُ كَافِيَةٍ فِي النَّجَاسَةِ عَلَى مَا مَرَّ
أَنَّهَا تَبَيَّنَتْ بِاجْتِمَاعِ الْأَمْرَيْنِ. فَإِنْ عَدِمَ الْمَاءُ إِلَّا نَبِيذَهُ
الْتَمَرِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ بِالْوَضُوءِ بِهِ فَقَطُّ وَأَبُو يُوسُفَ
بِالتَّيْمِمِ فَحَسَبُ وَمُحَمَّدٌ بِهِمَا وَالْخِلَافُ فِي نَبِيذِهِ هُوَ
حُلُوزِ رَقِيقٍ يَسِيلُ كَالْمَاءِ أَمَّا إِذَا اشْتَدَّ وَصَارَ مُسْكِرًا لَا
يَتَوَضَّأُ بِهِ إجماعاً.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) دونوں مسئلوں کی مکمل تشریح کر کے بتائیے کہ نبیذ تمر کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور کس نبیذ تمر میں اختلاف ہے نیز اشتداد کا کیا مفہوم ہے اور امام صاحب کی دلیل بھی پیش کیجئے۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور رہا غیر ما کول اللحم میں تو اس وجہ سے کہ اختلاط دم نہیں پایا گیا اور محض حرمت نجاست کے لئے کافی نہیں ہے جیسا کہ گزر چکا کہ وہ ثابت ہوتی ہے اجتماع امرین یعنی حرمت اور اختلاط دم سے۔

پس اگر نبیذ تمر کے سوا کوئی پانی نہ ہو تو امام ابو حنیفہؒ نے صرف اس سے وضو کرنے کے لئے کہا ہے اور امام ابو یوسفؒ نے صرف تیمم کرنے کے لئے کہا ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ وضو اور تیمم دونوں کرے، اور اختلاف اس نبیذ میں ہے جو رقیق و میٹھی ہو اور پانی کی طرح سیال ہو بہر حال اگر وہ گاڑھی ہو جائے اور نشہ آور ہو جائے تو اس سے بالاتفاق وضو جائز نہ ہوگا۔

(ب) تشریح: واما فی غیر ما کول اللحم الخ : خلاصہ کلام یہ ہے کہ ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کے سور (جھوٹا) میں جو اختلاف ہے اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ دونوں کے جھوٹے میں یہ فرق کیوں؟ اگر جھوٹا پاک ہو تو دونوں کا پاک ہونا چاہئے اور اگر ناپاک ہو تو دونوں کا ناپاک ہونا چاہئے کیونکہ اگر حکم گوشت کی وجہ سے ہے تو دونوں کا گوشت پاک ہے اور اگر خون کی وجہ سے ہے تو دونوں کا خون ناپاک ہے۔ فما الجواب؟

حاصل جواب یہ ہے کہ سور کے کے ناپاک ہونے میں دو چیزوں کا اعتبار ہے (۱) حرمت لحم (۲) اختلاط دم، جہاں یہ دونوں چیزیں ساتھ میں جمع ہوں گی تو سور ناپاک ہوگا اور جہاں یہ دونوں نہ ہوں یا ایک ہو اور ایک نہ ہو تو وہاں سور ناپاک نہ ہوگا اور غیر ماکول اللحم میں حرمت لحم تو ہے لیکن اختلاط دم نہیں ہے لہذا اس کا سور ناپاک نہ ہوگا، بلکہ پاک ہوگا اور اس سے وضو کرنا درست ہوگا۔

فان عدم الماء الخ : چونکہ گدھے اور خچر کے جھوٹے سے نبیذ تمر کی مشابہت ہے کہ بعض نے ان کے ہوتے ہوئے وضو اور تیمم دونوں کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے اُس حکم کے بعد مصنفؒ نے اس حکم کا ذکر کیا کہ مطلق پانی اگر نہ ہو جس سے وضو کیا جاتا ہے لیکن نبیذ تمر، تو کیا حکم ہے؟

نبیذ : اس پانی کا نام ہے جس میں چند کھجوریں ڈال دی جاتی ہیں اور ان کی شیرینی پانی میں مل جاتی ہے۔ (نبیذ علی زنة فعیل بمعنی مفعول من نبذت الشئ اذا طرحته) (شرح الوقایہ حاشیہ ۴)

یہاں نبیذ تمر کو خاص کر کے اس لئے ذکر کیا کہ دوسری نبیذوں مثلاً انگور، گندم، کشمش، انجیر اور چاول وغیرہ کی نبیذ سے وضو درست نہیں، ان پر قیاس کر کے نبیذ تمر سے بھی وضو جائز نہ ہونا چاہئے، لیکن چونکہ نبیذ تمر کے متعلق حدیث وارد ہوئی ہے کہ

نبیذ تمر کی مختلف حالتیں ہیں

شرح وقایہ صفحہ: ۹۱

Telegram channel : New Madarsa

الجواب:

(الف) ترجمہ: پس جائز نہ ہوگا کافر کا تیمم اس کے اسلام لانے کے لئے یعنی اس تیمم سے طرفین کے نزدیک نماز جائز نہ ہوگی، اس میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک جوازِ صلوٰۃ کے حق میں تیمم کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس سے قربت مقصودہ کی نیت کرے چاہے وہ قربت مقصودہ بغیر طہارت کے صحیح نہ ہوتی ہو، جیسے نماز، اور چاہے صحیح ہو جاتی ہو جیسے اسلام۔ اور طرفین کے نزدیک (تیمم سے نماز جائز ہونے کے لئے) ایسی قربت مقصودہ کی نیت شرط ہے جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہوتی ہو۔

(ب) تشریح: یہ مسئلہ تیمم میں نیت کے فرض ہونے پر متفرع ہے، چنانچہ احناف کے نزدیک تیمم میں نیت کرنا فرض ہے، امام زفرؒ کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ تیمم وضو کا خلیفہ ہے اور خلیفہ کا وہی حکم ہوتا ہے جو اصل کا ہوتا ہے اور وضو میں نیت فرض نہیں ہے لہذا تیمم میں بھی نیت فرض نہ ہوگی، ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول ”فتمموا صعيداً طيباً“ ہے کہ خود اس میں قصد و ارادہ کے معنی ہیں اور جب تیمم کے معنی خود قصد و ارادہ کے ہیں تو اس میں اگر نیت کو فرض نہ قرار دیا جائے تو پھر تیمم کا کوئی مطلب نہ رہے گا۔

فلا يجوز تیمم کافر الخ: اگر کافر اسلام قبول کرنے کی نیت سے تیمم کرے تو کیا اس تیمم سے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس میں امام ابو یوسفؒ اور طرفین کا اختلاف ہے امام ابو یوسفؒ تو فرماتے ہیں کہ اس تیمم سے اس کی نماز جائز ہوگی اور طرفین فرماتے ہیں کہ جائز نہ ہوگی، اس اختلاف کی بنیاد سمجھنے سے پہلے کچھ باتیں یاد رکھیں کہ عبادتیں دو طرح کی ہیں (۱) عبادت مقصودہ (۲) عبادت غیر مقصودہ۔

(۱) عبادت مقصودہ وہ ہے جن کا مقصود ہی تقرب الی اللہ ہے اور وہ بذات خود مقصود ہو کسی اور کے لئے وسیلہ نہ ہو جیسے اسلام، نماز، سجدہ تلاوت وغیرہ۔

(۲) غیر مقصودہ عبادتیں وہ ہیں جو بذات خود مقصود نہ ہوں بلکہ وہ دوسری عبادتوں کے لئے وسیلہ ہوں، جیسے وضو نماز کا وسیلہ ہے، اور مس صحف تلاوت کا وسیلہ ہے اور دخول مسجد وغیرہ، اب عبادات مقصودہ میں بعض تو وہ ہیں جن میں طہارت شرط ہے جیسے نماز، سجدہ تلاوت وغیرہ۔ اور بعض وہ ہیں جن میں طہارت شرط نہیں ہے جیسے اسلام، اب اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تیمم جواز صلوٰۃ کے حق میں اس وقت صحیح ہوگا جب اس تیمم سے قربت مقصودہ کی نیت کی گئی ہو چاہے وہ قربت مقصودہ بغیر طہارت کے صحیح ہو سکتی ہو جیسے اسلام چاہے بغیر طہارت کے صحیح نہ ہو سکتی ہو جیسے نماز۔

اور طرفینؒ کے نزدیک ایسی قربت مقصودہ شرط ہے جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہوتی ہو، لہذا مذکورہ مسئلہ میں طرفینؒ کے نزدیک اسلام قبول کرنے کی نیت سے کیا ہوا تیمم جواز صلوٰۃ کے حق میں صحیح نہ ہوگا، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صحیح ہوگا، البتہ کافر نے اگر وضو کیا اور اس کے بعد اسلام لے آیا تو چاہے یہ وضو نیت سے کیا ہو یا بغیر نیت کے کیا ہو ہمارے نزدیک اس وضو سے اس کی نماز صحیح ہو جائے گی کیونکہ ہمارے نزدیک وضو میں نیت شرط نہیں ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس وضو سے نماز صحیح نہ ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک وضو میں نیت شرط ہے اور چونکہ کافر نیت کا اہل نہیں ہے لہذا ان دونوں صورتوں میں نیت نہیں پائی گئی۔



شرح وقایہ صفحہ: ۹۲

وَيَصِحُّ فِي الْوَقْتِ اتِّفَاقًا وَقَبْلَهُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فَلَا يَجُوزُ بِهِ
الصَّلَاةُ إِلَّا فِي الْوَقْتِ عِنْدَهُ وَهَذَا بِنَاءٌ عَلَى مَا عُرِفَ فِي
أُصُولِ الْفِقْهِ أَنَّ التُّرَابَ خَلْفَ ضَرُورِيٍّ وَعِنْدَنَا خَلْفَ مُطْلَقٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) یصح کی ضمیر کا مرجع ظاہر کر کے مطلب لکھیں، خلف ضروری اور خلف مطلق کی وضاحت کریں، نیز مسلک احناف کی تائید کس حدیث سے ہوتی ہے اس کو بیان کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور تیمم صحیح ہے وقت میں بالاتفاق، اور وقت سے پہلے بھی صحیح ہے، اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک تیمم سے نماز جائز نہ ہوگی مگر وقت میں، اور یہ بناء ہے اس پر جو اصول فقہ میں جانا گیا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مٹی پانی کا خلف ضروری ہے اور ہمارے نزدیک خلف مطلق ہے۔

(ب) تشریح: یصح ای یصح التیمم۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے نماز کے وقت میں تیمم کیا ہو تو اس سے بالاتفاق اس وقت کی نماز جائز ہے، البتہ اگر اس وقت سے پہلے تیمم کر لیا ہو تو کیا اس سے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس میں ہمارا اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، ہمارے نزدیک تو نماز جائز ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مٹی یعنی تیمم پانی کا خلف ضروری ہے اور جو چیز ضرورتاً ثابت ہوتی ہے وہ ضرورت کے حد تک ہی رہتی ہے، لہذا جس وقت ضرورت ہوگی اس وقت تیمم کرنا ہوگا اور ایک وقت کا تیمم دوسرے وقت کے لئے ناکافی ہوگا۔

اور احناف کے نزدیک مٹی پانی کا خلف مطلق ہے لہذا وہ اصل کی طرح ہوگا یعنی جس طرح وقت سے پہلے وضو جائز ہے اور ایک وضو سے کئی وقت کی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں، اسی طرح وقت سے پہلے تیمم بھی جائز ہوگا اور ایک تیمم سے کئی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ”التراب طهور المسلم ولو الى عشر حجج“ کہ مٹی مسلمانوں کے لئے طہور ہے اگرچہ دس سال تک ہو، یہ حدیث ہمارے قول کی تائید کرتی ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وقت کے ساتھ متعین نہیں کیا بلکہ دس سال تک کہہ کر اس کو عام کر دیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ تیمم خلف ضروری نہیں بلکہ خلف مطلق ہے اور مطلق طور پر پاکی کا فائدہ دیتا ہے۔



شرح وقایہ صفحہ: ۹۴

أَقُولُ : إِنْ أَرَدْتَ أَنْ تَسْتَوْعِبَ الْأَقْسَامَ كُلَّهَا فَأَعْلَمْ أَنَّ إِذَا رَأَى الْمَاءَ خَارِجَ الصَّلَاةِ وَصَلَّى وَلَمْ يَسْأَلْ بَعْدَ الصَّلَاةِ لِيُظْهِرَ الْعِجْزُ أَوْ الْقُدْرَةَ فَعَلَى مَا ذُكِرَ فِي الْمُبْسُوطِ سَوَاءٌ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ الْإِعْطَاءُ أَوْ عَدَمُهُ أَوْ شَكٌّ فِيهِمَا وَهِيَ مَسْئَلَةُ الْمُتَمَنِّ إِذَا رَأَى فِي الصَّلَاةِ وَلَمْ يَسْأَلْ بَعْدَهَا فَكَذَا. وَإِنْ رَأَى خَارِجَ الصَّلَاةِ وَلَمْ يَسْأَلْ وَصَلَّى ثُمَّ سَأَلَهُ فَإِنْ أَعْطِيَ بَطَلَتْ صَلَاتُهُ، وَإِنْ أَبَى تَمَّتْ سَوَاءَ ظَنُّ الْإِعْطَاءِ أَوْ الْمَنْعِ أَوْ شَكٍّ فِيهِمَا وَإِنْ رَأَى فِي الصَّلَاةِ فَكَمَا ذُكِرَ فِي الزِّيَادَاتِ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) ہر ہر جزء کی الگ الگ مکمل تشریح کیجئے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اگر تو تمام اقسام کا احاطہ کرنا چاہے تو جان لے کہ اگر اس نے پانی خارج صلوٰۃ دیکھا اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور نماز کے بعد طلب بھی نہ کیا تا کہ عجز یا قدرت ظاہر ہو جائے تو حکم وہی ہوگا جیسا کہ مبسوط میں ذکر ہے (یعنی عدم جواز صلوٰۃ کا) چاہے اس کا ظن غالب دینے کا ہو یا نہ دینے کا ہو یا دونوں میں شک ہو اور یہی متن کا مسئلہ ہے۔ اور جب تیمم نے نماز میں پانی دیکھا اور نماز کے بعد طلب نہیں کیا تو حکم اسی طرح ہوگا (یعنی عدم جواز صلوٰۃ کا) اور اگر خارج صلوٰۃ پانی دیکھا اور بغیر مانگے نماز پڑھ لی پھر نماز کے بعد مانگا، اب اگر اس نے دے دیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر انکار کر دیا تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی، چاہے دینے کا گمان تھا یا نہ دینے کا یا دونوں میں شک تھا اور اگر نماز میں دیکھا تو وہی حکم ہوگا جو زیادات میں مذکور ہے۔

(ب) تفسیر: شارح علیہ الرحمہ یہاں اس تیمم کے احکام بیان کرنا چاہ رہے ہیں جو پانی کو دیکھتا ہے کہ اس کے کیا احکام ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ تیمم جو پانی کو دیکھ رہا ہے یا تو نماز کی حالت میں ہوگا یا خارج صلوٰۃ ہوگا یعنی ابھی اس نے نماز شروع نہ کی ہوگی، اب اگر وہ خارج صلوٰۃ ہو اور اس نے پانی طلب کئے بغیر نماز پڑھ لی تو وہی حکم ہوگا جو مبسوط میں مذکور ہے یعنی نماز کے صحیح نہ ہونے کا کیونکہ تیمم کے جائز ہونے کا جو حکم ہے وہ حقیقت عجز کی صورت میں ہے اور یہاں اس نے سوال نہیں کیا جس کی وجہ سے حقیقت عجز یا حقیقت قدرت کا ظہور نہیں ہوا اور چونکہ پانی عادتہ خرج کرنے کے لئے دیا جاتا ہے لہذا حقیقت عجز کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، لہذا اس کے لئے سوال کرنا ضروری ہوگا چاہے اس کو دینے کا گمان ہو یا دینے نہ دینے میں شک ہو یا نہ دینے کا گمان ہو، دینے کے گمان کی صورت میں تو یہ بات بالکل اظہر ہے اور شک کی

صورت میں بھی، البتہ نہ دینے کا گمان ہو تو فتویٰ اس بات پر ہے کہ اس کے لئے طلب کرنا واجب نہ ہوگا بلکہ اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، گمان کو حقیقت عجز کا قائم مقام کرتے ہوئے اور اگر وہ نماز میں ہو اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس نے طلب نہ کیا تو بھی یہی حکم ہوگا یعنی اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

ایک دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے خارج صلوٰۃ پانی دیکھا اور طلب کئے بغیر نماز پڑھ لی اور نماز پڑھنے کے بعد پانی طلب کیا تو اگر اس نے پانی دے دیا تو اس کو وضو کر کے نماز دہرائی ہوگی اور اگر انکار کر دیا تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی، چاہے اس کا ظن غالب دینے کا تھا یا نہ دینے کا تھا یا دونوں میں شک تھا، کیونکہ حقیقت عجز اور حقیقت قدرت کا ظہور ہو گیا، لہذا ظن کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اس نے پانی نماز کی حالت میں دیکھا تو اس کا حکم زیادات کے اندر مذکور حکم کی طرح ہوگا یعنی اگر ظن غالب دینے کا ہو تو نماز توڑ دے اور اگر دینے یہ یا نہ دینے میں شک ہو تو نماز نہ توڑے بلکہ یوں ہی نماز پوری کر لے۔



شرح وقایہ صفحہ: ۹۶

فَإِنْ قَالَ صَاحِبُ الْمَاءِ لَجَمَاعَةٍ مِّنَ الْمُتِمِّمِينَ لِيَتَوَضَّأَ
بِهَذَا الْمَاءِ أَيُّكُمْ شَاءَ عَلَى الْإِنْفِرَادِ وَالْمَاءُ يَكْفِي لِكُلِّ
وَاحِدٍ مُّنْفَرِدًا يَنْتَقِضُ تَيْمُمُ كُلِّ وَاحِدٍ ، أَمَّا إِذَا قَالَ : هَذَا
الْمَاءُ لَكُمْ وَقَبَضُوا لَا يَنْتَقِضُ تَيْمُمُهُمْ .

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) مسئلہ کی دونوں صورتیں، ان کا حکم اور

ان میں وجہ فرق بیان کیجئے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: پس اگر صاحب ماء نے تیمم کرنے والوں کی ایک جماعت سے کہا کہ تم میں سے جو چاہے اس پانی سے انفرادی طور پر وضو کر لے، اور حال یہ ہے کہ وہ پانی ان تمام میں سے کسی ایک کے لئے انفرادی طور پر کافی ہے، (ہر ایک کے لئے کافی نہیں ہے) تو ان میں سے ہر ایک کا تیمم ٹوٹ جائے گا۔

اور بہر حال جب صاحب ماء کہے کہ یہ پانی تمہارے لئے ہے اور انہوں نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تو بھی ان کا تیمم نہیں ٹوٹے گا۔

(ب) تشریح: سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ قدرت دو طرح سے ثابت ہوتی ہے یا تو ملکیت سے یا تو اباحت سے، یعنی آدمی مذکورہ مسئلہ میں کسی طرح پانی کا مالک بن جائے یا اس کے لئے کسی طرح پانی کا استعمال کرنا مباح ہو جائے، ملکیت کی صورت میں تو مسئلہ بالکل واضح ہے، البتہ اباحت کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، شارح نے اس میں سے دو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) یہ کہ صاحب ماء نے تیمم کرنے والوں کی ایک جماعت کو مخاطب ہو کر کہا کہ تم میں سے جو چاہے اس پانی سے وضو کر سکتا ہے اس حال میں کہ وہ پانی صرف ایک شخص کے وضو کے لئے کافی ہو سکتا ہے، اب چوں کہ اس نے یہاں کسی ایک کو متعین کر کے نہیں کہا اس لئے ہر ایک کو انفرادی طور پر پانی پر قدرت حاصل ہوگی جس کی وجہ سے ہر ایک کا تیمم ٹوٹ جائے گا، اب ان میں سے کوئی ایک اس پانی سے وضو کرے تو بقیہ لوگوں کو اپنا تیمم دہرانا ہوگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اس پانی کو جو صرف ایک شخص کے وضو کے لئے کافی ہو سکتا ہے اس صاحب ماء نے پوری جماعت کو دے دیا اور یہ کہا کہ یہ پانی

تمہارے لئے ہے اور ان لوگوں نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تو اس میں سے کسی کا تیمم نہیں ٹوٹے گا، اس مسئلہ کا یہ حکم تو ہمارے ائمہ کے نزدیک متفقہ ہے، البتہ وجوہات میں صاحبینؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا اختلاف ہے، اور اس اختلاف کی اصل بنیاد یہ ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک ہبہ مشاع (مشترک چیز کا ہبہ کرنا جس کی تقسیم سے کسی کا فائدہ نہ ہو) صحیح ہے اور جن لوگوں پر ہبہ کیا گیا ہے وہ مشترک طور پر مالک ہوں گے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے صحیح قول میں ہبہ مشاع صحیح نہیں ہے جس سے ملکیت کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتی۔

لہذا مذکورہ مسئلہ میں صاحبینؒ کے نزدیک اگرچہ وہ لوگ اس پانی کے مالک ہو گئے لیکن مشترک طور پر مالک ہونے کی وجہ سے ہر ایک اتنی مقدار کا مالک ہوا جو اس کے وضو کے لئے کافی نہیں ہے، لہذا ان کا تیمم نہیں ٹوٹے گا، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو ملکیت ہی ثابت نہیں ہے، اس لئے تیمم کے ٹوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ اس اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہو گا جب کہ ان تمام نے متفقہ طور پر اس پانی کو کسی ایک کے لئے مباح کر دیا تو اس صورت میں صاحبینؒ کے نزدیک اس شخص کا تیمم ٹوٹ جائے گا، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ ان کے نزدیک یہ لوگ اس پانی کے مالک ہی نہیں ہوئے بلکہ وہ پانی اب بھی صاحبِ ماء ہی کی ملکیت ہے، لہذا ان کا اس شخص کے لئے پانی کو مباح کرنا صحیح نہیں ہے، اور اس کا تیمم بھی نہیں ٹوٹے گا۔



شرح وقایہ صفحہ: ۹۷

وَنُدِبَ لِرَاجِيهِ أَنْ يُؤَخِّرَ صَلَاتَهُ آخِرَ الْوَقْتِ. فَلَا صَلَٰى
بِالتَّيْمُمِ فِي أَوَّلِ الْوَقْتِ ثُمَّ وَجَدَ الْمَاءَ وَالْوَقْتُ بَاقٍ لَا يُعِيدُ
الصَّلَاةَ وَيَجِبُ طَلَبُهُ قَدْرَ غُلُوَّةٍ لَوْ ظَنَّهُ قَرِيبًا وَإِلَّا فَلَا.
وَلَوْ نَسِيَهِ مُسَافِرٌ فِي رَحْلِهِ فَصَلَّى مُتَيَّمًا ثُمَّ ذَكَرَهُ فِي
الْوَقْتِ لَمْ يُعِدْ إِلَّا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَالْخِلَافُ فِيْمَا إِذَا
وَضَعَهُ بِنَفْسِهِ أَوْ وَضَعَهُ غَيْرُهُ بِأَمْرِهِ. وَأَمَّا إِذَا وَضَعَهُ غَيْرُهُ
وَهُوَ لَا يَعْلَمُ فَقَدْ قِيلَ يَجُوزُ التَّيْمُمُ اتِّفَاقًا وَقِيلَ الْخِلَافُ
فِي الْوُجْهَيْنِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں، (ب) راجیہ کی ضمیر کا مرجع متعین کرتے ہوئے مذکورہ مسائل کی تشریح کریں، نیز غلوہ کی مقدار بھی بیان کریں، اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف مطلق ہے یا کسی خاص صورت میں اگر خاص صورت میں ہو تو اس کو تحریر کریں (ج) خط کشیدہ قیود کے فوائد تحریر کرتے ہوئے بعد الوقت کے احکام بھی لکھئے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور پانی کے امیدوار کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنی نماز کو آخری وقت تک مؤخر کرے، پس اگر اس نے اول وقت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر پانی کو پالیا اس حال میں کہ وقت باقی ہے تو نماز کا اعادہ نہ کرے اور اگر پانی کے قریب ہونے کا گمان ہو تو ایک غلوہ کی مقدار طلب کرنا واجب ہے، ورنہ واجب نہیں ہے۔ اور اگر مسافر اپنے کجاوے میں پانی بھول جائے اور تیمم کر کے نماز پڑھ لے پھر

اس کو وقت کے اندر یاد آ جائے تو نماز کا اعادہ نہ کرے مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ وہ پانی اس نے خود رکھا ہو، یا اس کے حکم سے کسی دوسرے نے رکھا ہو، بہر حال اس صورت میں جب کسی دوسرے نے رکھا ہو اور یہ نہ جانتا ہو تو کہا گیا ہے کہ اس کا تیمم بالاتفاق جائز ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اختلاف دونوں صورتوں میں ہے (چاہے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو)

(ب) تشریح: لراجیہ ای لراجی الماء:

مصنف علیہ الرحمہ نے اب تک تو پانی پر قدرت نہ ہونے اور پانی موجود نہ ہونے کی صورتوں میں مطلقاً تیمم کی اجازت کو بیان فرمایا تھا، اب یہاں سے یہ بیان فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی مسافر سفر میں ہے اور اس کو اس بات کی امید ہے کہ آگے چل کر پانی مل سکتا ہے تو اگرچہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے اس کو تیمم کی اجازت ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ وہ نماز کو آخری وقت تک مؤخر کرے، پانی مل جائے تو وضو کر کے نماز پڑھے اور اگر پانی نہ ملے تو آخری وقت میں تیمم کر کے نماز پڑھے، لیکن اگر اس نے آخری وقت تک نماز کو مؤخر نہ کیا اور اول وقت میں تیمم سے نماز پڑھ لی اور آگے جانے کے بعد اس کو پانی مل گیا اور نماز کا وقت بھی باقی ہے تب بھی اس کو نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ جس کو یہ گمان ہو کہ پانی قریب ہی مل سکتا ہے تو اس پر غلوہ کی مقدار طلب کرنا واجب ہے اور اگر قریب ہونے کی امید نہ ہو تو طلب کرنا واجب نہ ہوگا، اس سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ سے یہ مروی ہے کہ اگر پانی اتنی دور ہو کہ اگر وہ جا کر وضو کرے تو قافلہ غائب ہو جائے اور اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے تو یہ دور شمار ہوگا اور اس کے لئے تیمم جائز ہوگا، صاحب محیط نے فرمایا کہ یہ صورت بہت بہترین ہے۔

غلوہ: بفتح اللام: اس کی اصل یہ ہے کہ تیر انداز اپنی کمان سے تیر

پھینکے پس وہ تیر جہاں جا کر گرے اور جہاں سے تیر انداز نے تیر پھینکا اس درمیانی مقدار کو غلوہ کہتے ہیں جس کا شارحؒ نے تین سو سے چار سو گز کی مقدار کے فاصلے سے اندازہ لگایا ہے۔

ولو نسیہ مسافر الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مسافر نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی حالانکہ اس کے کجاوہ میں پانی تھا لیکن وہ بھول گیا تھا تو اب اس کی دو صورتیں ہوں گی (۱) یا تو اس پانی کا علم اسے تھا بایں طور کہ وہ پانی اس نے خود رکھا ہو یا اس کے حکم سے کسی دوسرے نے رکھا ہو (۲) یا اس پانی کا اسے علم نہ تھا بایں طور کہ وہ پانی اس کی لاعلمی میں کسی اور نے رکھ دیا تھا اس صورت میں تو بالاتفاق کسی کے نزدیک بھی نماز کے اعادہ کی بالکل ضرورت نہ ہوگی، یہی قول صحیح ہے۔

لیکن پہلی والی صورت میں جب کہ اسے پانی کا علم تھا لیکن وہ بھول گیا تھا تو اس صورت میں طرفین کے نزدیک نماز کے اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر نماز کا اعادہ واجب ہوگا چاہے وقت میں یاد آیا ہو یا وقت کے بعد کیونکہ جب اس کے کجاوہ میں پانی موجود تھا تو وہ پانی پر قادر تھا لہذا اس کے نسیان کا اعتبار نہ ہوگا اور اس کا تیمم بھی صحیح نہ ہوگا۔

طرفین کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ پانی پر قدرت جب ہی ہو سکتی ہے جب اس کو پانی کا علم ہو اور اس صورت میں بھولنے کی وجہ سے اس کے لئے پانی پر قدرت ہی نہیں رہی، لہذا اس کا تیمم صحیح ہوگا اور کسی بھی صورت میں نماز کا اعادہ واجب نہ ہوگا، اسی پہلی والی صورت میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے۔

(ج) **ولو نسیہ:** نسیان کہہ کر شک اور وہم وغیرہ کو مستثنیٰ کر دیا، اس لئے کہ اگر اسے شک ہوا کہ شاید پانی ختم ہو چکا اور اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر پانی پایا یعنی پانی نہ ہونے کا جو شک تھا وہ زائل ہو گیا تو بالا جماع نماز کا اعادہ کرے۔

مُساوِر: یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں، کیونکہ مقیم کا بھی یہی حکم ہے جو مسافر کا ہے۔

فی الوقت: اس سے غرض وقت کے بعد یا آنے سے استثناء نہیں ہے، اس لئے کہ وقت کے بعد یا آنایا وقت کے اندر مگر نماز کے بعد یہ دونوں حکم میں برابر ہیں، البتہ دوران نماز یا آئے تو نماز توڑ کر وضو کر کے نماز کا اعادہ کرنا لازم ہے۔

بعد الوقت: طرفین کے نزدیک چاہے وقت میں آیا ہو یا وقت کے بعد بھولنے کی وجہ سے وہ نماز کا اعادہ نہیں کرے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر نماز کا اعادہ واجب ہو گا چاہے وقت کے اندر یا آ یا ہو یا وقت کے بعد۔



شرح وقایہ صفحہ: ۱۰۲

فَعَلِمَ أَنَّ قَوْلَهُ مَلْبُوسِينَ عَلَى طَهْرٍ تَامٍّ وَقَتَّ الْحَدَثِ
أَحْسَنُ مِنْ عِبَارَتِهِمْ، وَهِيَ إِذَا لَبَسَهُمَا عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ
وَقَتَّ الْحَدَثِ لِأَنَّ الْمُرَادَ الطَّهَارَةَ الْكَامِلَةَ وَقَتَّ الْحَدَثِ
وَهَذَا الْوَقْتُ هُوَ زَمَانُ بَقَاءِ اللَّبْسِ لَا زَمَانُ حُدُوثِهِ،
فَيَصِحُّ أَنْ يُقَالَ هُمَا مَلْبُوءَانِ عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ وَقَتَّ
الْحَدَثِ، وَلَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ لَبَسَهُمَا عَلَى طَهَارَةٍ كَامِلَةٍ
وَقَتَّ الْحَدَثِ.

(الف) عبارت با عراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) صورت مسئلہ لکھ کر عبارت کی تشریح کریں، اور دونوں عبارتوں کے فرق کو دلیل کے ساتھ بیان کریں اور بتائیں کہ پہلی عبارت احسن کیوں ہے؟

الجواب:

(الف) ترجمہ: پس معلوم ہوا کہ مصنف کا قول ”ملبوسین علی طہر تام وقت الحدث“ دوسرے مصنفین کی عبارت ”اذا لبسہما علی طہارۃ کاملۃ وقت الحدث“ سے بہتر ہے، کیونکہ حدث کے وقت طہارت کاملہ کا ہونا مراد ہے اور یہ وقت بقاء لبس کا زمانہ ہے، حدوث لبس کا زمانہ نہیں ہے، لہذا ”ہما ملبوسان علی طہارۃ کاملۃ وقت الحدث“ کہنا صحیح ہوگا، اور ”لبسہما علی طہارۃ کاملۃ وقت الحدث“، کہنا صحیح نہ ہوگا۔

(ب) تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مسح چاہے خفین پر ہو چاہے جرموق یا جورب پر ان پر مسح اسی وقت صحیح ہوگا جب کہ حدث کے لاحق ہونے کے وقت طہر تام یعنی مکمل پاکی پر پہنے (اور طہر تام وہ ہے جو ماء مطلق سے وضو یا غسل کے ذریعہ حاصل ہو اس کے علاوہ جو طہارت حاصل ہوتی ہے وہ طہر تام یعنی کامل طہارت نہیں بلکہ ناقص و عارضی طہارت ہے جیسے تیمم سے یا کھجور کی نیند سے طہارت حاصل کرنا وغیرہ) اور حدث کے لاحق ہونے سے پہلے یہ با وضو ہو اور موزے وغیرہ پہنے ہوئے ہو تو حدث کے بعد ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

فعلم ان قوله ملبوسین الخ : سے شارحؒ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ مصنفؒ نے جو ملبوسین علی طہر تام کہا ہے اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے یہ بہت ہی بہترین عبارت ہے، برخلاف دوسرے حضرات کے کہ انہوں نے ”اذا لبسہما علی طہارۃ کاملۃ وقت الحدث“ کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب ان موزوں کو طہارت کاملہ پر حدث کے وقت پہنا ہو، تو اس سے حدث کے وقت پہننے کا مطلب سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ فعل حدوث پر دلالت کرتا ہے، حالانکہ

یہاں حدود لبس کا زمانہ مراد نہیں ہے بلکہ بقاء لبس کا زمانہ مراد ہے، لہذا جو لفظ بقاء پر دلالت کرتا ہو اس کو استعمال کرنا چاہئے اور وہ ملبوسین اسم مفعول کا لفظ ہے کیونکہ اسم دوام و استمرار کا معنی دیتا ہے جس سے بقاء کا فائدہ حاصل ہوگا اور فعل حدود پر دلالت کرتا ہے، لہذا ”اذا لبسهما“ کے بجائے ملبوسین کہنا ہی بہتر ہے۔



شرح وقایہ صفحہ: ۱۰۵

وَيُجْمَعُ خُرُوقُ خُفٍّ لَا خُفَّيْنِ وَيُتَمَّ مَدَّةَ السَّفَرِ مَا سَحَّ
سَافِرٌ قَبْلَ تَمَامِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَيُتَمُّهُمَا إِنْ أَقَامَ قَبْلَهُمَا وَيَنْزِعُ
إِنْ أَقَامَ بَعْدَهُمَا فَهُنَا أَرْبَعُ مَسَائِلَ لِأَنَّهُ إِمَّا أَنْ
يُسَافِرَ الْمُقِيمُ أَوْ يَقِيمَ الْمُسَافِرُ وَكُلُّ إِمَّا قَبْلَ تَمَامِ يَوْمٍ
وَلَيْلَةٍ أَوْ بَعْدَهُمَا وَقَدْ ذُكِرَ فِي الْمَتْنِ ثَلَاثُ مَنَاسِلَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) اس عبارت میں جتنے مسائل ذکر کئے گئے ہیں ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں (ج) جو مسئلہ اس میں باقی رہ گیا ہو اس کی تعیین اور حکم، شارح کے بیان کے مطابق تحریر کریں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور ایک موزہ کی مختلف پھٹوں کو جمع کیا جائے گا دو موزوں کی نہیں، اور مدت سفر کو پورا کرے ایسا مسح کرنے والا شخص جو ایک دن ایک رات پورا ہونے سے پہلے سفر کرے، اور دن و رات کو پورا کرے اگر مسافر ان دونوں کے پورا ہونے سے پہلے مقیم ہو جائے، اور اگر ان دونوں (دن و رات) کے پورا ہونے کے بعد مقیم ہو تو خفین کو نکال دے، پس یہاں چار مسئلے ہیں، کیونکہ یا تو مقیم

مسافر ہوگا، یا مسافر مقیم ہوگا، اور دونوں میں سے ہر ایک یا تو ایک دن اور ایک رات پورا ہونے سے پہلے یا بعد میں (مقیم یا مسافر ہوگا) اور متن میں ان میں سے تین مسئلے مذکور ہیں۔

(ب) تشریح: ویجب خروق خف الخ

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موزہ مختلف جگہ سے تھوڑا تھوڑا پھٹ گیا ہو اور یہ پھٹن ساق کے نیچے ہو کیونکہ ساق کے اوپر کی پھٹن کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔
تو حکم یہ ہے کہ اگر ایک موزہ میں اتنی پھٹن ہو گئی ہے کہ اگر ان مختلف پھٹنوں کو جمع کیا جائے تو تین انگلیوں کی مقدار ہو جائے تو اس صورت میں اس موزہ پر مسح کرنا جائز نہ ہوگا اور اگر تین انگلیوں سے کم ہو تو مسح کرنا جائز ہوگا، لیکن اگر دونوں موزوں میں پھٹن ہے اور ہر ایک موزہ میں تین انگلیوں سے کم ہے لیکن اگر دونوں موزوں کی پھٹن ملائی جائے تو تین انگلیوں کی مقدار ہو جائے مثلاً ایک موزہ میں ایک یا دو انگلیوں کی مقدار ہے اور دوسرے موزہ میں بھی ایک یا دو انگلیوں کی مقدار ہے تو اگر چہ دونوں کی پھٹن ملا کر تین انگلیوں کے برابر یا اس سے زائد ہو رہی ہے پھر بھی ان موزوں پر مسح کرنا جائز ہوگا کیونکہ تین انگلیوں کی مقدار کا اعتبار ہر موزہ میں الگ الگ طور پر ہے۔

ویتم مدة السفر ماسخ الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مقیم

مدت مسح کے پورا ہونے سے پہلے سفر کرے یا کوئی مسافر مدت مسح کے پورا ہونے سے پہلے اقامت کرے یعنی مقیم ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ اس مسئلہ کی کل چار صورتیں ہیں (۱) یہ کہ کسی مقیم نے موزے پہنے اور ایک دن ایک رات کی مدت ختم ہونے سے پہلے سفر پر روانہ ہو گیا تو اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ یا تو وہ سفر اختیار کرے گا اس طہارت کے ٹوٹنے سے پہلے جس پر اس نے موزے پہنے ہیں

اس صورت میں تو بالاتفاق وہ مدت سفر پوری کرے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ یا تو طہارت کے ٹوٹنے کے بعد، مدت اقامت کے ختم ہونے سے پہلے سفر کرے گا تو اس صورت میں ہمارے نزدیک حکم یہ ہے کہ وہ سفر کی مدت یعنی تین دن تین رات پوری کرے، اس کو ماتن نے ”و یتیم مدة السفر ما مسح سافر قبل تمام یوم ولیسلة“ سے بیان فرمایا ہے، لیکن اس صورت میں امام شافعی نے اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں حالت ابتداء کا اعتبار ہوگا جیسا کہ اگر کسی مقیم نے ٹھہری ہوئی کشتی میں نماز کی ابتداء کی اور بعد میں کشتی چل پڑی تو اس کو چار رکعت ہی مکمل کرنا ہوتی ہے حالت ابتداء کا اعتبار کرتے ہوئے، اسی طرح اس مسئلہ میں بھی حالت ابتداء کا اعتبار ہوگا اور ایک دن ایک رات مکمل کر کے موزہ اتارے گا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مسح کا حکم وقت کے ساتھ متعلق ہے اور جو چیز وقت کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اس میں آخر وقت کا اعتبار ہوتا ہے جیسے کہ حائضہ عورت اگر آخر وقت میں پاک ہو جائے تو اس پر نماز واجب ہو جاتی ہے، اور پاک عورت آخر وقت میں حائضہ ہو جائے تو اس سے نماز ساقط ہو جاتی ہے، اسی طرح مقیم اگر مسافر ہو جائے تو آخر وقت کا اعتبار کرتے ہوئے مدت سفر کو پورا کرے گا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مسافر نے خفین پہنے اور ایک دن ایک رات پورا ہونے سے پہلے مقیم ہو گیا تو اب حکم یہ ہے کہ وہ ایک دن ایک رات مقیم کی طرح مسح کو پورا کرے اور اس کے بعد موزے اتارے، مصنف نے اپنے قول و یتیمہما ان اقام قبلہما سے اسی کو بیان کیا ہے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ مسافر نے خفین پہنے تھے اور مدت سفر پورا ہونے سے پہلے لیکن مدت اقامت یعنی ایک دن اور ایک رات ہونے کے بعد وہ مقیم ہو گیا تو حکم یہ ہے کہ مقیم ہوتے ہی موزہ اتارے اب ان پر مسح نہیں کر سکتا، اس کو

مصنفؒ نے اپنے قول ”وینزع ان اقام بعدهما“ سے ذکر کیا ہے۔
(ج) (۴) چوتھی صورت جو متن میں مذکور نہیں ہے وہ یہ ہے کہ مقیم مدت مسح یعنی ایک دن ایک رات پورا ہونے کے بعد سفر کرے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو موزہ اتارنا ضروری ہوگا کیونکہ مدت ختم ہوتے ہی حدث قدموں میں سرایت کر چکا ہے، چونکہ یہ مسئلہ بالکل ظاہر تھا اس لئے ماتنؒ نے اس کو الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

شرح وقایہ صفحہ: ۱۰۷

وَيَجِبُ أَنْ يُعْلَمَ أَنَّ مَسْحَ الْجَبِيرَةِ يُخَالِفُ مَسْحَ الْخُفِّ
فِي أَنَّهُ يَجُوزُ عَلَى حَدَثٍ وَلَا يُقَدَّرُ لَهُ مَدَّةٌ، وَإِذَا سَقَطَتْ
لَا عَنْ بُرءٍ لَا يَبْطُلُ، وَإِنْ سَقَطَتْ عَنْ بُرءٍ يَجِبُ غَسْلُ
ذَلِكَ الْمَوْضِعِ خَاصَّةً.

(الف) عبارت مع اعراب لکھ کر ترجمہ کیجئے (ب) واضح مطلب لکھئے، مسح جبیرہ اور مسح خف کے درمیان بیان کردہ چاروں فروق کو نمبر وار لکھئے (ج) ”خاصہ“ کیوں منصوب ہے؟

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور یہ جان لینا ضروری ہے کہ مسح جبیرہ اور مسح خف میں چند باتیں مختلف ہیں وہ یہ کہ مسح جبیرہ حدث پر بھی جائز ہے اور اس کی کوئی مدت متعین نہیں ہے، اور اگر جبیرہ زخم کے اچھا ہوئے بغیر گر جائے تو مسح باطل نہیں ہوتا ہے، اور اگر زخم کے اچھا ہونے پر گر جائے تو صرف اس جگہ کا دھونا واجب ہوتا ہے۔

(ب) تشریح: جبیرة: بفتح الجیم، جمع جبائر: وہ لکڑی ہے

جو ٹوٹی ہوئی ہڈی پر باندھی جاتی ہے، جبیرہ کا حکم یہ ہے کہ وہ طہارت پر باندھی جائے یا بغیر طہارت کے دونوں صورتوں میں اس پر مسح جائز ہے، آج کل پلاسٹریا زخم پر باندھی جانے والی پٹی کا بھی یہی حکم ہے۔

خاصۃً: مفعول مطلق ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔

شارح علیہ الرحمہ یہاں سے مسح جبیرہ اور مسح خفین کے درمیان فرق واضح کرنا چاہتے ہیں۔

مذکورہ چار فروق یہ ہیں (۱) جبیرہ اگر حدث کی حالت میں بھی باندھی جائے تو اس پر مسح جائز ہے جب کہ خفین پر مسح میں طہارت شرط ہے، (۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ خفین پر مسح کی مدت متعین ہے اور مسح علی الجبیرہ کی کوئی مدت متعین نہیں ہے، بلکہ زخم اچھا ہونے تک اس پر مسح جائز ہے۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ جبیرہ اگر زخم کے اچھا ہوئے بغیر گر جائے تو مسح باطل نہیں ہوتا ہے، جب کہ خفین میں ایک بغیر ارادہ کے بھی نکل جائے تو مسح باطل ہو جاتا ہے۔
(۴) چوتھا فرق یہ ہے کہ اگر جبیرہ زخم کے اچھا ہونے پر گر جائے تو صرف اس جگہ کا دھونا لازم ہوگا، بقیہ اعضاء کا دھونا لازم نہیں ہوگا، برخلاف خفین کے کہ اگر ایک موزہ نکل جائے تو بھی اس پر دونوں پیروں کا دھونا واجب ہوتا ہے۔



شرح وقایہ صفحہ ۱۰۹

وَالْمُخْتَارُ أَنَّهَا إِنْ رَأَتْ دَمًا قَوِيًّا كَالْأَسْوَدِ وَالْأَحْمَرِ الْقَانِي
كَانَ حَيْضًا وَيَبْطُلُ الْإِعْتِدَادُ بِالْأَشْهُرِ قَبْلَ التَّمَامِ وَبَعْدَهُ لَا
وَإِنْ رَأَتْ صَفْرَةً أَوْ خُضْرَةً أَوْ تُرْبِيَّةً فَهِيَ اسْتِحَاضَةٌ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں، (ب) مطلب تحریر کریں، انہا کی ضمیر کا مرجع، قبل التمام اور الاعتداد بالا شہر کی مراد کی تعیین بالخصوص مطلوب ہے۔
الجواب:

(الف) ترجمہ: اور مختاریہ ہے کہ اگر سن ایاس کو پہنچنے والی عورت نے قوی خون دیکھا جیسے کہ سیاہ اور گہرا سرخ تو وہ حیض ہوگا اور وہ حیض مہینوں سے عدت گزارنے کو باطل کر دے گا مہینوں کے پورا ہونے سے پہلے، بعد میں نہیں، اور اگر اس نے زرد رنگ یا سبز رنگ یا مٹیا لے رنگ کا خون دیکھا تو وہ استحاضہ ہے۔
(ب) تشریح: والمختار انہا ای بالغۃ الا یاس۔

حیض کی اصطلاحی تعریف: هو دم ینفضہ رحم امرأۃ بالغۃ لاداء بہا ولم تبلغ الا یاس۔ یعنی حیض وہ خون ہے جس کو بالغہ عورت کا رحم خارج کرتا ہے، ایسی بالغہ جس کو بیماری نہ ہو اور نہ وہ سن ایاس کو پہنچی ہو، سن ایاس کے تعلق سے فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات ساٹھ سال کہتے ہیں، بعض پچپن اور بعض پچاس کہتے ہیں، لیکن یہ کوئی حتمی نہیں ہے عورتوں کی صحت کے اعتبار سے اس میں فرق ہوتا ہے، بعض اوقات ستر سال کی عمر تک بھی عورتوں کو حیض آتا ہے اور بعض اوقات پینتالیس سال میں بھی حیض بند ہو سکتا ہے، اسی کی طرف شارح نے اپنے قول والمختار انہا الخ سے اشارہ کیا ہے کہ اگر سن ایاس کو پہنچی ہوئی عورت کا لایا گہرا سرخ خون دیکھے تو وہ حیض ہی ہوگا، اب اگر کسی آئسہ کو طلاق دی گئی اور وہ مہینوں کے اعتبار سے عدت گزار رہی تھی کہ اس نے سیاہ یا گہرا سرخ خون دیکھا تو اگر یہ خون عدت کے پورا ہونے سے پہلے دیکھا تو اس کی مہینے والی عدت باطل ہو جائے گی اور اس کو حیض سے اپنی عدت شمار کرنی ہوگی، مثلاً طلاق کے بعد اس نے دو مہینوں تک خون نہیں دیکھا اور اس کے بعد تین مہینہ مکمل ہونے سے پہلے خون دیکھا تو اس

کی مہینوں سے عدت باطل ہو جائے گی، اور اس کو از سر نو حیض سے عدت پوری کرنی ہوگی، اور اگر تین مہینہ پورا ہونے کے بعد خون دیکھتی ہے تو اس کی عدت پوری ہو چکی اب حیض سے عدت گزارنے کا حکم نہیں دیا جائے گا اور اگر اس کے بعد اس نے دوسرا نکاح کر لیا تو وہ بھی صحیح ہو جائے گا، قبل التمام اور الاعتداد بالا شہر کی اچھی طرح وضاحت ہوگئی۔

اور اگر وہ زرد رنگ یا سبز رنگ یا مٹیالے رنگ کا خون دیکھے تو وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ کا خون کہلائے گا جو کہ بیماری کی وجہ سے آتا ہے۔



شرح وقایہ صفحہ: ۱۱۴

فَقَالَ يَمْنَعُ الصَّلَاةَ وَالصَّوْمَ وَيُقْضَىٰ هُوَ لَا هِيَ، وَدُخُولُ
الْمَسْجِدِ وَالطَّوَافُ وَاسْتِمْتَاعُ مَا تَحْتَ الْإِزَارِ وَلَا تَقْرَأُ
كُجُنْبٍ وَنُفْسَاءَ بِخِلَافِ الْمُحَدِّثِ وَلَا تَمْسُ هُوْلَاءِ
مُصْحَفًا إِلَّا بِغِلَافٍ مُتَجَافٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیے، ضائر کے مراجع ظاہر کرتے ہوئے ترجمہ کیجئے (ب) مطلب واضح کیجئے، ایام حیض کے متروکہ صوم کی قضاء واجب ہونے اور صلوٰۃ کی قضاء کے عدم وجوب کے وجوہ حسب بیان شارح تحریر کیجئے۔ (ج) نیز استمتاع ماتحت الازار کی تشریح بھی حسب بیان شارح کیجئے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: پس مصنفؒ نے فرمایا کہ حیض نماز اور روزہ کو منع کرتا ہے، اور روزہ کی قضاء کی جائے گی نہ کہ نماز کی، اور (حیض منع کرتا ہے) مسجد میں داخل

ہونے سے اور طواف سے اور ماتحت الازار (یعنی ناف کے نیچے) فائدہ اٹھانے سے۔ اور حائضہ قرآن نہ پڑھے جنبی اور نفاس والی عورتوں کی طرح برخلاف محدث (بے وضو) کے۔

اور چھوئیں یہ سب (یعنی حائضہ، جنبی، نفاس والی عورت اور محدث) قرآن مجید کو مگر ایسے غلاف کے ساتھ جو اس قرآن سے جدا ہو۔

(ب) **تشریح:** یمنعُ ای الحیضُ الصلوٰۃُ والصومُ ویقضی ہو لاہی یعنی حیض نماز اور روزہ کے لئے مانع ہے اور روزوں کی قضاء کی جائے گی نماز کی نہیں، یہاں ایک وہم پیدا ہوتا ہے کہ روزہ اور نماز حکم کے اعتبار سے برابر ہیں تو یہ فرق کیوں کہ روزہ کی قضاء تو واجب اور نماز کی قضاء واجب نہیں؟ اس کی وجہ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: کُنَا نَحِیضُ فِی عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنُؤْمِرُ بِقِضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمِرُ بِقِضَاءِ الصَّلَاةِ۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حائضہ ہوتیں تو ہم کو روزہ کی قضاء کا حکم دیا جاتا اور نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا۔

اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ روزہ تو سال میں صرف ایک بار فرض ہے اور نماز ہر دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے، لہذا روزہ کی قضاء میں تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن نماز کے مکرر ہونے کی وجہ سے اگر اس کے قضاء کا حکم دیا جاتا تو حرج عظیم لازم آتا، اور شریعت میں حرج کو دفع کیا گیا ہے اس لئے نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا گیا۔

ودخول المسجد: حیض مسجد میں داخل ہونے سے منع کرتا ہے چاہے ٹھہرنے کے ارادہ سے ہو یا گزرنے کے ارادہ سے ہو، ”لا احل المسجد لجنب ولا حائض“ کی وجہ سے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد کو حلال قرار نہیں دیا ہے، یعنی ان لوگوں کا مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔

والطواف : اسی طرح حائضہ کے لئے طواف کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ بقول شارح طواف مسجد میں کیا جاتا ہے، لیکن ان حضرات نے اس تعاقیل کو صحیح نہیں مانا ہے بلکہ طواف اس لئے منع ہے کہ طواف کے لئے لہارت شرط ہے، اس کے باوجود اگر حائضہ نے طواف کر لیا تو وہ حلال تو ہو جائے گی، لیکن کہنگار ہوگی اور اس پر بطور کفارہ کے فدیہ بھی واجب ہوگا۔

(ج) واستمتاع ما تحت الازار الخ: یعنی حائضہ سے ناف سے لے کر گھٹنے تک فائدہ اٹھانا حرام ہے، جیسے کہ جماع یا تنجید یعنی عورت کی رانوں کو ملا کر اس میں ذکر کا داخل کرنا حرام ہے، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حائضہ سے نفع اٹھانا کہاں تک حلال ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”لک ما فوق الازار“ یعنی تیرے لئے ناف سے اوپر کے حصہ سے نفع اٹھانا جائز ہے، جیسے کہ بوسہ لینا اور پستان وغیرہ کا چھونا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک صرف جماع حرام ہے، بقیہ کسی بھی طرح سے نفع اٹھانا جائز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: اصنعوا کل شیء الا النکاح، کی وجہ سے کہ جماع کے سوا ہر چیز جائز ہے۔

ولا تقرأ الخ: نیز حائضہ کے لئے قرآن کی تلاوت کرنا بالاتفاق حرام ہے، البتہ مادون الآیۃ یعنی ایک آیت سے کم میں اختلاف ہے، امام کرخیؒ تو فرماتے ہیں کہ ایک آیت سے کم کی بھی تلاوت نہیں کر سکتی، البتہ امام طحاویؒ ایک آیت سے کم کی تلاوت کو جائز قرار دیتے ہیں، برخلاف محدث کے، کیوں کہ محدث (بے وضو شخص) کے لئے قرآن مجید کا بغیر جھوٹے پڑھنا یا زبانی پڑھنا جائز ہے۔

ولا تمس هؤلاء: یعنی حائضہ، جنبی، نفاس والی عورت اور محدث کے لئے قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے، ہاں اگر درمیان میں کوئی چیز حائل ہو تو چھو سکتے ہیں، مثلاً ایسا غلاف جو قرآن پاک سے جدا ہو سکتا ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ جو چیز درمیان

میں حائل ہووہ قرآن یا آدمی کے تابع نہ ہو، مثلاً قرآن کی جلد اور آدمی کی آستین و دامن وغیرہ کہ ان کے ذریعہ چھونا جائز نہ ہوگا۔



شرح وقایہ صفحہ: ۱۱۵

الصَّائِمَةُ إِذَا حَاضَتْ فِي النَّهَارِ فَإِنْ كَانَ فِي آخِرِهِ بَطُلٌ
صَوْمُهَا فَيَجِبُ قَضَاؤُهُ إِنْ كَانَ صَوْمًا وَاجِبًا وَإِنْ كَانَ نَفْلًا
لَا، بِخِلَافِ صَلَاةِ النَّفْلِ إِذَا حَاضَتْ فِي خِلَالِهَا، فَإِنَّهَا
تَبْطُلُ وَيَجِبُ قَضَائُهَا.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ تحریر کیجئے (ب) مطلب لکھئے، فرض روزہ اور نماز
اسی طرح نفل روزہ اور نماز کے درمیان حیض آنے کی صورت میں الگ الگ ہر ایک
کے احکام اور وجہ فرق تحریر کیجئے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اگر روزہ دار عورت دن میں حائضہ ہو جائے، اگرچہ وہ
دن کے آخری حصہ میں ہی ہو، اس کا روزہ باطل ہو جائے گا، پس اگر روزہ واجب ہو تو
اس پر اس کی قضاء لازم ہوگی اور اگر نفل روزہ ہو تو قضاء واجب نہ ہوگی، برخلاف نفل
نماز کے کہ اگر وہ نماز کے درمیان میں حائضہ ہو جائے تو نماز باطل ہو جائے گی اور
اس پر اس نفل نماز کی قضاء واجب ہوگی۔

(ب) تشریح: اس سے پہلے شارح علیہ الرحمہ نے یہ بتلایا تھا کہ ہمارے
نزدیک سقوطِ صلوٰۃ و صوم و وجوبِ صلوٰۃ و صوم میں آخری وقت کا اعتبار ہے، اس لئے
ہمارے نزدیک نماز سے مقارن حصہ ہی وجوب کا سبب ہوتا ہے، لہذا تاخیر کی صورت

میں سبب وجوب آخری وقت تک منتقل ہو جائے گا۔

الصائمه اذا حاضت الخ : اگر روزہ دار عورت کو دن میں حیض آجائے تو اس کا روزہ باطل ہے اب اگر یہ روزہ واجب ہے مثلاً رمضان کا یا نذر کا یا قضاء کا روزہ تو اس کی قضاء واجب ہوگی، اور اگر نفل ہے مثلاً عرفہ کا، عاشورہ کا یا ایام بیض وغیرہ کا روزہ تو شارح نے فرمایا کہ اس کی قضاء واجب نہیں ہے، لیکن بعض حضرات قضاء کے واجب ہونے کے قائل ہیں، اسلئے فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ احتیاطاً قضاء کر لینی چاہئے، البتہ اگر نماز کی حالت میں حیض شروع ہو جائے تو اگر فرض نماز کی حالت میں حیض شروع ہو جائے تو اگر فرض نماز ہو تو اس کی قضاء واجب نہ ہوگی بلکہ وہ نماز اس سے ساقط ہو جائے گی، اور اگر نفل نماز ہو تو پاک ہونے کے بعد اس پر قضاء لازم ہوگی، کیوں کہ ہمارے نزدیک نفل نماز شروع کرنے کے بعد اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر اس کو فاسد کر دے تو اس کی قضاء واجب ہوتی ہے۔

شرح وقایہ صفحہ: ۱۱۷

وَلَا تَمَسُّ هُلُولًا أَيْ الْحَائِضُ وَالْجُنُبُ وَالنَّفَسَاءُ وَ
الْمُحَدِّثُ مُصْحَفًا إِلَّا بِغَلَاظٍ مُّتَجَافٍ. وَكُرْهٌ بِالْكُفِّ وَلَا
دِرْهُمَا فِيهِ سُورَةٌ إِلَّا بِبُصْرَةٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں، (ب) مطلب لکھیں، اگر درہم میں قرآن کریم کی کوئی آیت لکھی ہو تو اس کو مذکورہ لوگ چھو سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں چھو سکتے تو مصنف نے سورۃ کی قید کیوں لگائی ہے؟ (ج) مذکورہ لوگ کتابت مصحف کر سکتے ہیں یا نہیں اس سلسلہ کی تفصیل مع اختلاف ائمہ تحریر کریں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور نہ چھونیں یہ لوگ یعنی حائضہ، جنبی، نفاس والی عورت اور محدث (بے وضوء) قرآن مجید کو مگر ایسے غلاف کے ساتھ جو اس قرآن سے جدا ہو۔ اور آستین کے ذریعہ چھونا مکروہ ہے اور نہ ایسے درہم کو چھونا جائز ہے جس میں کوئی سورت لکھی ہو مگر تھیلی کے ساتھ۔

(ب) تشریح: حائضہ، جنبی، نفاس والی عورت اور محدث یعنی بے وضوء کے لئے قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے اسی طرح اگر درہم وغیرہ پر قرآن کی آیت یا کوئی سورت لکھی ہو تو اس کا بھی چھونا جائز نہیں، ہاں اگر درمیان میں کوئی چیز حائل ہو تو چھو سکتے ہیں، مثلاً ایسا غلاف جو قرآن سے جدا ہو سکتا ہو یا درہموں کی تھیلی لیکن شرط یہ ہے کہ جو چیز درمیان میں حائل ہو وہ قرآن یا آدمی کے تابع نہ ہو مثلاً قرآن کی جلد اور آدمی کی آستین و دامن وغیرہ کے ذریعہ چھونا جائز نہ ہوگا۔

فیہ سورۃ الخ: اس کا مقصد متن کے ظاہری عبارت سے پیدا ہونے والا شبہ دور کرنا ہے، شبہ یہ ہوتا ہے کہ جس پر پوری سورت لکھی ہو اسے چھونا جائز نہیں تو جس پر صرف ایک آیت لکھی ہو تو اسے چھونا ان لوگوں کے لئے شاید جائز ہوگا۔ چنانچہ اس کا جواب دیا کہ سورت کا ذکر دراصل اتفاقی ہے ورنہ ہر مقدار کے بارے میں یہی حکم ہے۔

(ج) واما کتابۃ المسحوف الخ: یعنی جب حائضہ، نفساء اور جنبی وغیرہ قرآن مجید کی کتابت کرنا چاہے تو اگر اس مکتوب عبارت کو چھونا پڑتا ہے، تو یہ جائز نہیں، اور اگر کاغذ کسی لکڑی کی تختی وغیرہ پر رکھا ہو یا کسی دوسری الگ چیز پر رکھا ہو کہ اس وقت مکتوب کو چھونا نہیں پڑتا تو امام محمدؒ کے نزدیک یہ صورت بھی جائز نہیں ہے

اس لئے کہ اس نے قرآن مجید کا ایک حصہ تحریر کیا اور اس کا حکم بھی پورے قرآن مجید والا حکم ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اس لئے کہ مکتوب کی مقدار اور اس کی تیج پر وہی حکم عائد نہیں ہوتا جو پورے قرآن مجید کا ہوتا ہے۔

شرح وقایہ صفحہ ۱۲۱

وَسُقْطُ يُرَى بَعْضُ خَلْقِهِ وَلَدٌ فَتَصِيرُ هِيَ بِهِ نَفْسَاءُ ، وَ
الْأَمَةُ أُمُّ الْوَلَدِ وَيَقَعُ الْمُعْلَقُ بِالْوَلَدِ وَتَنْقُضِي الْعِدَّةُ بِهِ.

(الف) اعراب لگا کر مطلب خیز ترجمہ کیجئے (ب) ”ہی“ اور ”بہ“ کا مرجع نیز ”المعلق“ کا موصوف تحریر کرتے ہوئے عبارت کے ہر جزء کی الگ الگ تشریح کیجئے۔
الجواب:

(الف) **ترجمہ:** اور سقط (نا تمام بچہ) جس کے بعض اعضاء ظاہر ہو گئے ہوں بچہ کے حکم میں ہے، پس وہ عورت اس خون سے (جو سقط کے بعد نکلے) نفاس والی ہو جائے گی، اور باندی ہو تو ام ولد ہو جائے گی، اور بچہ پر معلق طلاق واقع ہو جائے گی، اور سقط کے ذریعہ سے اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔

(ب) **تشریح:** فتصیر ہی، ای المرأة. بہ ای بخروج الدم بعد خروج السقط، والمعلق أى الطلاق المعلق بالولد.

وسقط یرى الخ: اگر کسی عورت کا حمل مدت سے پہلے ساقط ہو جائے تو اگر یہ سقوط خون یا لوتھڑے کی شکل میں ہو تو اس پر کوئی حکم نہ ہوگا، البتہ سقط یعنی وہ نا تمام بچہ جس کے کچھ اعضاء مثلاً انگلی، ناخن، بال وغیرہ ظاہر ہو گئے ہوں تو یہ مکمل بچہ کے حکم میں ہوگا اور مکمل بچہ پیدا ہونے کے بعد جتنے احکام ثابت ہوتے ہیں وہ سب

ثابت ہو جائیں گے مثلاً اس کے بعد خون نکلے تو یہ نفاس کا خون ہوگا، اگر یہ عورت کسی کی باندی ہو تو ام ولد ہو جائے گی، اور اگر اس کے شوہر نے اس کو یہ کہا کہ ان ولدت فانك طالق کہ اگر تو بچہ جنے تو تجھ پر طلاق تو اس سقط کے خارج ہونے سے وہ مطلقہ ہو جائے گی، اور اگر اس کا شوہر حمل کی حالت میں فوت ہو چکا ہو یا حمل کی حالت میں اس کے شوہر نے اس کو طلاق دی ہو تو اس سقط کے نکلنے سے اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔

شرح وقایہ صفحہ ۱۳۲

فَإِنْ قِيلَ هَذَا تَعْلِيلٌ فِي مَعْرِضِ النَّصِّ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ
السَّلَامُ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْفَجْرِ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ
فَقَدْ أَدْرَكَ الْفَجْرَ وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ
الْغُرُوبِ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ قُلْنَا لَمَّا وَقَعَ التَّعَارُضُ بَيْنَ
هَذَا الْحَدِيثِ وَبَيْنَ النَّهْيِ الْوَارِدِ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الْأَوْقَاتِ
الثَّلَاثَةِ رَجَعْنَا إِلَى الْقِيَاسِ وَالْقِيَاسُ رَجَحَ هَذَا الْحَدِيثَ فِي
صَلَاةِ الْعَصْرِ وَحَدِيثِ النَّهْيِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ.

(الف) عبارت مع اعراب لکھ کر ترجمہ کیجئے (ب) بعدہ ”فان قيل“ سے
کئے گئے اعتراض کو واضح کیجئے، اس قیاس کو وضاحت کے ساتھ لکھئے جس نے حدیث
مذکور کو صلوٰۃ عصر میں اور حدیث نہی کو صلوٰۃ فجر میں راجح قرار دیا ہے۔
(ج) قیاس اور تعارض کی تعریف بھی کیجئے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ تعلیل نص کے معارض

ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: جس نے طلوع شمس سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی تو اس نے فجر پالی، اور جس نے غروب شمس سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر پالی، تو ہم جواب دیں گے کہ جب اس حدیث اور اس حدیث کے درمیان جس میں اوقاتِ ثلاثہ میں نماز سے نہی وارد ہوئی ہے تعارض واقع ہو گیا تو ہم نے قیاس کی طرف رجوع کیا، اور قیاس نے اس حدیث کو نمازِ عصر میں ترجیح دی اور نہی والی حدیث کو نمازِ فجر میں ترجیح دی۔

(ب) **تشریح:** اس سے پہلے نمازِ فجر کے فاسد ہونے کی جو علت بیان کی گئی تھی (کہ نماز فجر اس کا تمام وقت کامل ہے اب جس نے آخر وقت میں نماز شروع کی تو وقت کامل ہونے سے نماز بھی کامل واجب ہوئی، اب اگر طلوع شمس سے نماز میں نقص آجائے تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ نماز جس طرح واجب ہوئی تھی، اس طرح اداء نہیں ہوئی) اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آپ کی یہ تعلیل نص کے معارض ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ جو شخص طلوع شمس سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالے اس نے فجر کی نماز پالی اور جو غروب شمس سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے اس نے عصر کی نماز پالی، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ جس طرح غروب شمس سے عصر کی نماز فاسد نہیں ہوتی اسی طرح طلوع شمس سے فجر کی نماز فاسد نہ ہوگی اور چوں کہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، لہذا آپ کا یہ قیاس باطل ہوگا۔

تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اس حدیث ”من ادرک رکعة النحر“ اور اس حدیث میں جس کے اندر اوقاتِ ثلاثہ میں نماز سے نہی وارد ہوئی ہے: قال ثلثة اوقات نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان نصلي وان نقبر فيها موتانا عند طلوع الشمس حتى ترتفع وعند زوالها حتى

تذول و حین تضيف للغروب حتى تغرب الا عصر يومه. ان دونوں حدیثوں میں تعارض واقع ہو رہا ہے اور چوں کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں، لہذا بغیر کسی مرجح کے دونوں میں سے کسی کو بھی ترجیح حاصل نہ ہوگی، تو اس صورت میں جیسا کہ قاعدہ ہے ”اذا تعارضتا تساقطا“ قیاس کی طرف رجوع کرنا لازم ہوا، اور قیاس نے حدیث نہیں کو فجر میں ترجیح دی اور حدیث ادا رک کو عصر میں ترجیح دی، لہذا اس پر عمل کرتے ہوئے ہم نے حکم لگایا کہ فجر کی نماز میں اگر طلوع شمس کی وجہ سے نقص لازم آئے تو فجر کی نماز فاسد ہو جائے گی اور عصر کی نماز میں اگر غروب شمس کی وجہ سے نقص لازم آئے تو بھی عصر کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

(ج) قیاس کی تعریف: هو تقدير الفرع بالأصل في الحكم والعلة، یعنی فرع کو حکم اور علت میں اصل کے برابر کرنا۔

تعارض کی تعریف: تعارض یہ ہے کہ دو متساوی حجتوں میں بائیں طور تقابل ہو کہ ان دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ ہو گویا ایک حجت کسی چیز کے ثبوت کو چاہتی ہو اور دوسری حجت اس کے انقضاء کو۔

شرح وقایہ صفحہ: ۱۳۲

وَلَا يُجْمَعُ فَرُضَانِ فِي وَقْتِ بِلَا حَجٍّ وَفِيهِ خِلَافٌ
الشَّافِعِيُّ وَمَنْ طَهَّرَتْ فِي وَقْتِ عَصْرِ وَعِشَاءٍ صَلَّيْتُهَا
فَقَطُّ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ.

(الف) عبارت مع اعراب لکھ کر ترجمہ کیجئے، (ب) مطلب لکھتے ہوئے بلا حج کی قید کا فائدہ لکھئے، دونوں مسئلوں کی صورت لکھ کر احناف و شوافع کا اختلاف واضح طور پر تحریر کیجئے۔

الجواب:

(الف) **ترجمہ:** اور حج کے علاوہ دو فرضوں کو ایک وقت میں جمع نہیں کیا جائے گا، اور اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، اور جو عورت (حیض یا نفاس سے) عصر یا عشاء کے وقت میں پاک ہو وہ صرف وہی نماز پڑھے، اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

(ب) **تشریح:** **بلا حج:** یعنی اوقات حج میں حاجیوں کے علاوہ، کیوں کہ حج میں عرفات کے دن حجاج لوگ ظہر اور عصر میں جمع بالتقدیم کرتے ہیں یعنی عصر کو مقدم کر کے، ظہر کے ساتھ ہی پڑھ لیتے ہیں، اور یوم النحر کی رات کو مزدلفہ میں مغرب اور عشاء میں جمع بالتأخیر کرتے ہیں یعنی مغرب کو تاخیر سے پڑھتے ہیں اور ساتھ ہی عشاء بھی پڑھ لیتے ہیں، حج کے علاوہ اوقات میں دو فرضوں کو ایک وقت جمع کرنا جائز نہ ہونے کی وجہ وہ حدیث ہے کہ ”من جمع بین الصلوتین من غیر عذر فقد اتى باباً من ابواب الكبائر“ کہ جس نے بلا عذر دو نمازوں کو جمع کیا اس نے گناہ کبیرہ میں سے ایک گناہ کیا، اس کو حاکم اور ترمذی نے نقل کیا ہے۔

احناف کے نزدیک تو حج کے علاوہ کسی بھی صورت میں دو فرضوں کو ایک وقت میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

لیکن امام شافعیؒ حج کے علاوہ سفر میں بھی جمع بین الصلوتین کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر میں بارہا جمع بین الصلوتین متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو جمع بین الصلوتین مروی ہے وہ صورتاً تھا نہ کہ حقیقتاً یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح جمع

بین الصلوٰتین فرماتے کہ ظہر کو آخر وقت میں اور عصر کو اول وقت پڑھ لیتے، یا مغرب کو آخر وقت میں اور عشاء کو اول وقت میں پڑھ لیتے، تو اس صورت میں جمع بین الصلوٰتین صورت پایا گیا لیکن حقیقیہ نہیں ہے۔

ومن طهرت الخ: دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت حیض یا نفاس سے عصر کے وقت میں پاک ہوئی ہو تو اس پر صرف عصر کی نماز واجب ہوگی، لیکن اس سے پہلے ظہر کی قضاء اس پر لازم نہ ہوگی، اسی طرح اگر کوئی عورت عشاء کے وقت میں پاک ہوئی ہو تو اس پر صرف عشاء کی نماز واجب ہوگی مغرب کی نماز واجب نہ ہوگی۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کوئی عورت عصر کے وقت میں پاک ہوئی ہو تو اس پر ظہر بھی واجب ہوگی اور عشاء کے وقت میں پاک ہو تو اس پر مغرب کی نماز بھی واجب ہوگی، اس لئے کہ ان کے نزدیک ظہر اور عصر مغرب اور عشاء کا وقت ایک ہی وقت کے حکم میں ہے، لہذا جس پر عصر واجب ہوگی اس پر ظہر بھی واجب ہوگی اور جس پر عشاء واجب ہوگی اس پر مغرب بھی واجب ہوگی۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر نماز کا وقت مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ وقت ہے، لہذا ایک نماز کے وقت دوسری نماز کا کوئی تعلق اور مطلب نہیں بنتا ہے۔



شرح وقایہ صفحہ: ۱۳۳

(وَمَنْ هُوَ أَهْلُ فَرَضٍ فِي آخِرِ وَقْتِهِ يَقْضِيهِ لَا مَنْ حَاضَتْ فِيهِ) يَعْنِي إِذَا بَلَغَ الصَّبِيُّ أَوْ أَسْلَمَ الْكَافِرُ فِي آخِرِ الْوَقْتِ وَلَمْ يَبْقَ مِنَ الْوَقْتِ إِلَّا قَدَرُ التَّحْرِيمَةِ يَجِبُ عَلَيْهِ قَضَاءُ صَلَاةِ ذَلِكَ الْوَقْتِ خِلَافًا لَزُفَرٍ وَمَنْ حَاضَتْ فِي آخِرِ

الْوَقْتُ لَا يَجِبُ عَلَيْهَا قَضَاءُ صَلَاةٍ ذَلِكَ الْوَقْتُ خِلَافًا
لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) مطلب بیان کرتے ہوئے ”اہل
فرض“ سے مراد اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے اختلاف کی وضاحت کیجئے۔
الجواب:

(الف) ترجمہ: اور جو شخص آخر وقت میں فرض کا اہل ہو جائے تو وہ اس فرض
کی قضاء کرے اور جو عورت آخری وقت میں حائضہ ہو تو وہ اس فرض کی قضاء نہ
کرے، یعنی جب بچہ آخری وقت میں بالغ ہو جائے یا کافر مسلمان ہو جائے اور وقت
باقی نہ ہو سوائے تکبیر تحریمہ کے تو بھی اس پر اس وقت کے نماز کی قضاء واجب ہوگی
، اس میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے، اور جو عورت آخری وقت میں حائضہ ہوگئی تو اس پر
اس وقت کے نماز کی قضاء واجب نہ ہوگی، اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

(ب) تشریح: والمراد ”بأهل فرض“ الصبي اذا بلغ والكافر اذا اسلم.
صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ ایسے وقت میں بالغ ہو جائے کہ نماز کے وقت
میں صرف اتنا وقت باقی ہے کہ وہ صرف تکبیر تحریمہ کہہ سکتا ہے، اسی طرح کوئی
کافر ایسے ہی وقت میں مسلمان ہو جائے تو اس پر اس نماز کی قضاء واجب ہوگی، کیوں
کہ ہمارے نزدیک سبیت آخر وقت کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے یعنی اگر کسی نے اول
وقت میں نماز اداء کر لی تو وہی وقت اس کے لئے وجوب نماز کا سبب ہوگا، لیکن اگر اس
نے اول وقت میں نماز اداء نہیں کی اور وقت کو اتار رہا تو سبیت بھی آگے کے اوقات کی
طرح منتقل ہوتی رہے گی، یہاں تک کہ وہ نماز اداء کر لے، اور اگر آخری وقت میں اس
نے نماز اداء نہیں کی تو اس کے حق میں آخری وقت نماز کے وجوب کا سبب ہو جائے گا اور

اس پر قضاء واجب ہوگی، لہذا جب وہ آخر وقت میں نماز کا اہل ہو گیا تو وہ وقت اس کے لئے وجوب کا سبب بن جائے گا چاہے وہ وقت صرف تکبیر تحریمہ کے بقدر ہی کیوں نہ ہو اور اس پر اس نماز کی قضاء واجب ہوگی، اس مسئلہ میں امام زفر کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ وجوب قضاء کے لئے اتنا وقت ضروری ہے جس میں وہ طہارت حاصل کر کے فرض اداء کر سکے اگر اتنا وقت نہ ہو تو اس پر قضاء واجب نہ ہوگی اور مسئلہ مفروضہ میں اتنا وقت نہیں ہے، لہذا اس پر قضاء واجب نہ ہوگی۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ خرق عادت کے طور پر وقت کا ممتد ہونا ممکن ہے جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرہ کے لئے ہوا تھا۔

چوں کہ اوپر کی تقریر سے یہ واضح ہو گیا کہ سبب وجوب آخر وقت تک منتقل ہوتی رہتی ہے، اسی لئے اگر کسی عورت نے وقت میں نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ آخر وقت میں حائضہ ہو گئی تو اس پر اس وقت کی قضاء لازم نہ ہوگی، کیوں کہ وہ آخر وقت میں اہل نہیں رہی، لہذا اس پر وجوب اداء ثابت نہ ہوا، اس لئے وجوب قضاء بھی ثابت نہ ہوگا، اس مسئلہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے ان کے نزدیک اس عورت پر اس وقت کے نماز کی قضاء واجب ہوگی، کیوں کہ اس نے اتنا وقت پایا ہے جس میں وہ نماز اداء کر سکتی تھی۔



شرح وقایہ صفحہ: ۱۳۳

الْأَذَانُ سُنَّةٌ لِلْفَرَائِضِ فَحَسِبُ فِيْ وَقْتِهَا، وَلَيْسَ بِسُنَّةٍ فِيِ
النَّوَائِلِ فَقَوْلُهُ: فِيِ وَقْتِهَا إِحْتِرَازٌ عَنِ الْأَذَانِ قَبْلَ الْوَقْتِ
وَعَنِ الْأَذَانِ بَعْدَ الْوَقْتِ لِأَجْلِ الْأَدَاءِ، فَأَمَّا الْأَذَانُ بَعْدَ
الْوَقْتِ لِلْقَضَاءِ فَهُوَ مَسْنُونٌ أَيْضًا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بوضاحت لکھئے
(ج) اور فجر کی اذان قبل از وقت دینے کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف بھی تحریر کیجئے۔

الجواب:

(الف) **ترجمہ:** اذان صرف فرض نمازوں کے لئے سنت ہے ان کے وقت میں، اور نفل نمازوں کے لئے سنت نہیں ہے، پس مصنف کا قول فی وقتہا سے اداء نمازوں کے لئے اذان قبل الوقت اور اذان بعد الوقت سے احتراز ہے، پس قضاء نمازوں کے لئے بھی اذان بعد الوقت مسنون ہے۔

(ب) **تشریح:** اذان پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ کے لئے سنت مؤکدہ ہے نقل متواتر کی وجہ سے یعنی یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ کے لئے اذان دلوائی، اور وتر، عیدین، نماز کسوف و خسوف اور سنن و نوافل کے لئے اذان نہیں دلوائی اس لئے ان نمازوں کے لئے اذان سنت نہ ہوگی، اسی طرح اذان صرف مردوں کے لئے سنت ہے عورتوں کے لئے نہیں، عورتیں فرض نمازوں کے لئے بھی اذان و اقامت نہیں کہیں گی، اگرچہ جماعت سے نماز پڑھ رہی ہوں۔

فی وقتہا: مصنف کے قول فی وقتہا پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ مضر ہے کیونکہ یہ اذان کو شامل نہیں ہے اس لئے کہ وہ اذان کے وقت میں نہیں ہوتی ہے حالانکہ قضاء نماز کے لئے بھی اذان مسنون ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے لیلۃ التعریس کی صبح جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فجر قضا ہو گئی تھی تو آپ نے اذان و اقامت کے ساتھ نماز فجر قضا کی تھی۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس سے کوئی ضرر نہیں ہے کیوں کہ وہ اذان

اگرچہ اداء کے وقت میں نہیں ہو رہی ہے لیکن قضاء کے وقت میں ہو رہی ہے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ”من نام عن صلوة او نسیها فليصلها اذا ذكرها فان ذالك وقتها“ سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ قضاء نماز جب پڑھی جائے وہی اس کا وقت ہے لہذا جب اس کے لئے اذان ہوگی اسی کے وقت میں ہوگی۔

(ج) امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک فجر کی اذان نصف شب کے بعد قبل الوقت دی جاسکتی ہے، ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے: ان بلالا يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى ينادي ابن ام مكتوم . جمہور کی دلیل یہ ہے کہ اذان، دخول وقت اور جماعت کے حاضر ہونے کا اعلان ہے، لہذا وقت سے پہلے اذان دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اور حدیث مذکور کا جواب یہ ہے کہ حضرت بلالؓ کی جواز اذان تھی وہ نماز فجر کے لئے نہیں تھی بلکہ یا تو سحر کی یا تہجد کی یاد دہانی کے طور پر ہوتی تھی، کیونکہ اگر فجر کے لئے ہوتی تو پھر ابن ام مکتومؓ کے اذان کی کیا ضرورت تھی؟



شرح وقایہ صفحہ: ۱۳۷

وَعَادِمُ مُزِيلِ النَّجَسِ صَلَّى مَعَهُ وَلَمْ يُعَدِّ فَإِنْ صَلَّى عَارِيًا
وَرُبْعُ ثَوْبِهِ طَاهِرٌ لَمْ يَسْجُزْ وَفِي أَقَلِّ مِنْ رُبْعِهِ الْأَفْضَلُ
صَلَاتُهُ فِيهِ وَمَنْ عَدِمَ ثَوْبًا فَصَلَّى قَائِمًا جَازَ وَقَاعِدًا مُؤْمِيًا
نَذْبَ، وَقِبْلَةُ خَائِفِ الْأُسْتِقْبَالِ جِهَةً قُدِّرَتْهُ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں، (ب) مذکورہ مسائل کی مکمل تشریح کریں

(ج) بتائیں کہ عادمِ ثوب کے لئے بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا کیوں بہتر ہے؟
(د) نیز وقبلۃ خائف الاستقبال الخ کی مدلل وضاحت کریں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور نجاست کو زائل کرنے والی چیز نہ پانے والا نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لے اور نماز کا اعادہ نہ کرے، پس اگر کسی نے ننگے نماز پڑھ لی، حالانکہ اس کا چوتھائی کپڑا پاک تھا تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔
اور رابع سے کم پاک ہونے کی صورت میں بھی اس کپڑے میں نماز پڑھنا افضل ہے (ننگا نماز پڑھنے سے) اور جو شخص کپڑا نہ پائے اور کھڑا ہو کر نماز پڑھ لے تو بھی جائز ہے، اور بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا مستحب ہے، اور استقبالِ قبلہ سے خوف کرنے والے کا قبلہ اسی طرف ہے جس طرف وہ رخ کی قدرت رکھتا ہو۔

(ب) تفسیر: مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کے بدن یا کپڑے پر نجاست لگی ہے اور اس نجاست کو دور کرنے کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہیں ہے تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ اسی نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لے اور نماز کا اعادہ نہ کرے البتہ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں (۱) یہ کہ کپڑا رابع یا اس سے زیادہ پاک ہو تو اس صورت میں اسی کپڑے میں نماز پڑھنا اس کے لئے واجب ہوگا اور اگر ننگا نماز پڑھے تو جائز نہ ہوگا، کیونکہ رابع کل کے مرتبہ میں ہوتا ہے لہذا چوتھائی کپڑے کی پاکی کل کے پاک ہونے کے مرتبہ میں ہوگا، اور پاک کپڑے کے ہوتے ہوئے ننگا نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اس لئے اس کپڑے میں نماز پڑھنا اس کے لئے لازمی ہوگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کپڑا رابع سے کم پاک ہے تو اس صورت میں اختلاف ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی اسی ناپاک کپڑے میں نماز

پڑھنا واجب ہے، کیوں کہ نجس کپڑے میں نماز پڑھنے کی صورت میں ایک فرض یعنی طہارت کا ترک کرنا لازم آتا ہے، لیکن ننگے نماز پڑھنے کی صورت میں قیام، رکوع، سجود مختلف فرائض کا ترک کرنا لازم آتا ہے، لہذا ایک فرض کو ترک کرنا متعدد فرائض کو ترک کرنے سے بہتر ہے، اس لئے اسی نجس کپڑے میں نماز پڑھنا واجب ہوگا۔

اور شیخینؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اس کو اختیار ہوگا چاہے تو اس نجس کپڑے میں نماز پڑھ لے، چاہے ننگا نماز پڑھ لے لیکن اس نجس کپڑے میں نماز پڑھنا شیخینؒ کے نزدیک افضل ہے کیوں کہ طہارت ایک ایسا فرض ہے جو نماز کے ساتھ خاص ہے اور ستر عورت نماز اور نماز کے علاوہ ہر حالت میں فرض ہے لہذا ننگے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں اسی نجس کپڑے میں نماز پڑھنا افضل ہوگا۔

(ج) **ومن عدم ثوب الخ** : عادم ثوب کے لئے بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ کا یہی عمل رہا ہے جیسا کہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کشتی پر سوار تھے وہ کشتی ٹوٹ گئی تو صحابہ دریا سے برہنہ نکلے اور جب نماز کا وقت ہوا تو انہوں نے بیٹھ کر نماز ادا کی، اور اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ لے تو بھی جائز ہے، لیکن بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا ہی افضل اور بہتر ہے کیونکہ اس میں عورت غلیظہ کا ستر ہے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں رکوع و سجود ادا ہو جائیں گے اور رکوع و سجود صرف نماز میں واجب ہے اور ستر عورت نماز وغیرہ ہر حالت میں واجب ہے، اور رکوع و سجود صرف اللہ کا حق ہے اور ستر عورت اللہ و بندہ سب کا حق ہے۔

(د) **وقبلۃ خائف الاستقبال الخ** : نماز کی شرائط میں سے پانچویں شرط قبلہ کی طرف رخ کرنا ہے لیکن اگر کسی شخص کو اس بات کا خوف ہے کہ اگر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے تو پیچھے سے دشمن آ کر حملہ کر دے گا یا کسی درندہ وغیرہ

کا خوف ہو تو ایسا شخص جس طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہو وہی اس کے لئے قبلہ ہوگا، اس لئے کہ طاقت کے بقدر ہی انسان کو مکلف بنایا جاتا ہے، نیز ”فاینما تولوا فثم وجه الله“.

شرح وقایہ صفحہ: ۱۴۳

وَالْجَهْرُ وَالْإِخْفَاءُ فِيمَا يُجْهَرُ وَيُخْفَى وَ سُنَّ غَيْرُهُمَا أَوْ
نُدْبَ فَإِذَا أَرَادَ الشَّرُوعَ كَبَّرَ حَازِفًا بَعْدَ رَفْعِ يَدَيْهِ غَيْرَ
مُفَرَّجٍ أَصَابِعَهُ وَلَا ضَامًّا مَاسًّا بِأَبْهَامَيْهِ شَحْمَتِي أُذُنِيهِ فَإِنْ
أَبْدَلَ التَّكْبِيرَ بِاللَّهِ أَجَلُّ أَوْ أَعْظَمُ أَوْ الرَّحْمَنُ أَكْبَرُ أَوْ لَا
إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَوْ بِالْفَارُسيَّةِ أَوْ قَرَأَ بِهَا بَعْدَ أَوْ ذَبَحَ وَ سَمَّى بِهَا
جَازَ وَ بِأَلَلْهُمَّ اغْفِرْ لِي لَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) وضاحت کے ساتھ مطلب لکھتے ہوئے جہر اور سر کی تعریف اور ادنیٰ مقدار بیان کریں (ج) غیر ہما اور دونوں بھا کی ضمیر کے مراجع متعین کر کے لفظ حازفا کے لغوی و مراوی معنی اور و الجهر کا معطوف علیہ بھی تحریر کریں (د) اللهم اغفر لی سے نماز شروع کرنا کیوں جائز نہیں؟

الجواب

(الف) ترجمہ : اور جہری نماز میں قرأت بالجہر کرنا اور سری نماز میں قرأت بالسر کرنا (واجب ہے) اور ان دونوں (فرائض و واجبات) کے علاوہ ساری چیزیں سنت ہیں یا مستحب۔ پس جب نماز شروع کرنے کا ارادہ کرے تو حذف کرتے ہوئے تکبیر کہے دونوں ہاتھوں کو اٹھانے کے بعد۔ ہاتھ کی انگلیوں کو نہ تو کشادہ کرے اور نہ ملائے، اپنے دونوں انگوٹھوں سے کان کی لو کو چھوئے، پس اگر اللہ

اکبر کے بدلہ اللہ اجل یا اللہ اعظم یا الرحمن اکبر یا لا الہ الا اللہ کہا، یا فارسی میں تکبیر کہا یا فارسی میں قرأت کی کسی عذر کی وجہ سے یا فارسی میں تسمیہ کہتے ہوئے ذبح کیا تو جائز ہے۔ (اور تکبیر میں) اللھم اغفر لی کہا تو جائز نہ ہوگا۔

(ب) **تشریح:** جہری نمازوں مثلاً فجر، مغرب اور عشاء میں قرأت بالجہر کرنا اور سری نمازوں جیسے کہ ظہر اور عصر میں قرأت بالسر کرنا واجب ہے، اور فرائض و واجبات کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں یا تو وہ سنت ہیں یا مستحب، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک فرض و واجب میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح ہم فرق کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک جو حکم دلیل قطعی سے ثابت ہو وہ فرض ہے اس کا تارک مستحق عقاب ہوتا ہے اور اس کا منکر کافر ہوتا ہے، اور واجب وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو اس کا تارک مستحق عذاب تو ہوتا ہے لیکن اس کا منکر کافر نہیں قرار دیا جاتا، لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک چاہے کوئی حکم دلیل قطعی سے ثابت ہو یا دلیل ظنی سے وہ فرض ہی ہے۔ لہذا ہمارے نزدیک جو چیزیں واجب کہلاتی ہیں وہ ان کے نزدیک فرض ہی کہلائیں گی۔ اس لئے ان کے نزدیک نماز میں یا تو فرائض ہوں گے یا سنن یا مستحبات۔

الجہر: لغة ما يرفعه الانسان من صوته

واصطلاحاً في القراءة: إسماع غيره

و السِّرُّ: لغة ما يكتمه الانسان في نفسه

واصطلاحاً في القراءة: إسماع نفسه

وهذا هو أدنى المقدار.

فاذا اراد الشروع بكبر الخ: تکبیر کے سلسلہ میں تین باتیں قابل توجہ

ہیں (۱) تکبیر کے الفاظ کس طرح ادا ہوں (۲) تکبیر کس وقت کہی جائے۔ (۳) تکبیر اللہ اکبر کے علاوہ دوسرے الفاظ سے اداء ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تو ان کی تفصیل یہ ہے کہ

(۱) اللہ اکبر میں لفظ اللہ کے الف کو مد نہ پڑھے یعنی اللہ نہ پڑھے اور اکبر کے باء میں بھی مد نہ پڑھے یعنی اکبر نہ پڑھے (۲) یہ کہ تکبیر کا وقت یعنی اللہ اکبر کہنے اور ہاتھ باندھنے کی کیا صورت ہو؟ تو اس کی تین صورتیں ہیں (۱) ایک تو صورت یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھالے پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے باندھ لے۔ اس صورت کو صاحب کتاب نے اختیار کیا ہے اور یہی صاحب ہدایہ کے نزدیک اصح ہے اور مسبوط میں اس کو ہمارے مشائخ کی طرف منسوب کیا گیا ہے (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ تکبیر اور رفع یدین ساتھ ساتھ ہوں، قدوری اور قاضی خاں نے اس کو مختار کہا ہے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ پہلے تکبیر کہے پھر رفع یدین کرے، یہ تینوں طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں لیکن پہلی صورت سب سے بہتر ہے، (۳) اور تیسری بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان تمام الفاظ کے ذریعہ تکبیر صحیح ہے جو اللہ کی عظمت اور اس کی بزرگی پر دلالت کرے جیسے اللہ اعظم، اللہ اجل، الرحمن اکبر وغیرہ۔ البتہ جو الفاظ دعاء کے معنی میں ہوں ان کے ذریعہ تکبیر کہنا درست نہیں ہے جیسے: اللھم اغفر لی وغیرہ۔

غیر مضرج الخ: یعنی رفع یدین کے وقت نہ تو انگلیوں کو کشادہ کرے اور نہ ملائے بلکہ ان کو اپنی حالت پر رہنے دے، ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ رکوع کی حالت میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کے علاوہ کسی اور حالت میں انگلیوں کو کشادہ کرنا مندوب نہیں ہے اور سجدہ کی حالت کے علاوہ کسی اور حالت میں انگلیوں کو ملانا مندوب نہیں ہے یعنی رکوع و سجدہ کی حالتوں کے علاوہ تمام حالتوں میں انگلیوں کو ان کی حالت پر رہنے دینا چاہئے، نہ کشادہ کرے اور نہ ملائے۔

ماساً بابہامیہ الخ: یعنی ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے کہ انگوٹھے پورے کانوں کی لو کو چھو رہے ہوں، یہ احناف کا مذہب ہے کہ تکبیر تحریمہ ہو یا کوئی اور تکبیر

جس میں ہاتھ اٹھاتے ہوں جیسے عیدین کی تکبیرات اس میں ہاتھوں کو کانوں کی لوتک اٹھائے، البتہ امام شافعیؒ امام مالکؒ و امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک صرف کندھوں تک ہی ہاتھ اٹھائے جائیں گے۔

او بالفارسیۃ الخ: اگر کسی شخص نے فارسی میں تکبیر کہی یعنی خدا بزرگ تراست کہہ کر نماز شروع کیا یا فارسی میں قراءت کی یا ذبح کے وقت فارسی زبان میں تسمیہ کہا یعنی بنام خدائے بزرگ تر، کہا تو اگر یہ کسی عذر کی وجہ سے کہا ہے تب تو بالاتفاق جائز ہے، البتہ بغیر عذر کے عربی زبان پر قدرت کے باوجود غیر عربی یا فارسی میں تکبیر کہی تو اس میں اختلاف ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک تو بغیر عذر کے بھی جائز ہے لیکن صاحبینؒ کے نزدیک بغیر عذر کے جائز نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ”وانہ لفی زبور الاولین“ فرمایا اور ظاہر ہے کہ پہلی کتابیں غیر عربی زبان میں تھیں، اور صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ”انما انزلناہ قرآناً عربیاً“ کہا ہے کہ ہم نے قرآن عربی زبان میں اتارا ہے اور عربی زبان کو ایک خاص فضیلت حاصل ہے جو کسی اور زبان کو حاصل نہیں ہے۔

امام ابو بکر رازیؒ نے روایت کیا ہے کہ آخر میں امام صاحبؒ نے صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا یعنی آپؐ بھی نماز میں غیر عربی قراءت کے ناجائز ہونے کے قائل ہو گئے تھے اور اسی پر اعتماد ہے البتہ ذبیحہ پر غیر عربی میں تسمیہ کہنا بالاتفاق جائز ہے کیوں کہ یہاں ذکر مقصود ہے۔

(ج) الجهر کا معطوف علیہ قراءۃ الفاتحة ہے، ای وواجبها قراءۃ الفاتحة والجهر الخ، غیر ہما ای ما عدا الفرائض والواجبات اور دونوں بہا کی ضمیر مرجع الفارسیۃ ہے، ای بالفارسیۃ۔
حاذفًا: من ضرب، کم کرنا، گرانا، مٹانا۔

اور مراد یہ ہے کہ تکبیر کہتے وقت اللہ اکبر میں لفظ اللہ کے الف کو مد نہ پڑھے اور اکبر کے باء میں بھی مد نہ پڑھے۔

(د) اللھم اغفر لی سے نماز شروع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ لفظ دعاء کے معنی پر مشتمل ہے لہذا ان سے نماز شروع کرنا جائز نہ ہوگا، لَاَنَّ الْمَامُورَ بِهِ هُوَ نَفْسُ التَّكْبِيرِ وَالتَّعْظِيمِ .

شرح وقایہ صفحہ: ۱۴۹

فَإِنْ تَرَكَ سُورَةَ أُولَى الْعِشَاءِ قَرَأَهَا بَعْدَ فَاتِحَةِ آخِرِيَّهِ
وَجَهَرَ بِهِمَا إِنْ أَمَّ ، وَلَوْ تَرَكَ فَاتِحَتَهُمَا لَمْ يُعَدَّ .

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) زیر بحث دونوں مسئلوں کی وضاحت کرتے ہوئے مسئلہ ثانیہ کے بارے میں شارح کی بیان کردہ دلیل ذکر کریں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: پس اگر عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورت ملا نا چھوڑ دیا تو اس کی اخیر کی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد پڑھ لے، اور اگر امامت کر رہا ہو تو فاتحہ اور سورت کو بالجمہ پڑھے اور اگر پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ چھوڑ دی تو ان کا اعادہ نہ کرے۔

(ب) تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ تو پڑھ لی لیکن ضم سورت نہ کی تو اسے چاہئے کہ وہ اخیر کی دو رکعتوں میں ضم سورت کرے یہی حکم ظہر وعصر میں بھی ہوگا اور اخیر کی دو رکعتوں میں ضم سورت کی قضاء کا یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے اور یہ حکم وجوباً ہے یا استحباباً تو جامع صغیر کی عبارت وجوب پر دلالت کرتی ہے، کیوں کہ اس میں قرأ فی الاخرین کا لفظ ہے اور وقایہ

میں بھی اسی طرح ہے، البتہ مبسوط کی عبارت استحباب پر دلالت کرتی ہے، کیوں کہ مبسوط کی عبارت یوں ہے: اذا ترک السورۃ فی الاولین احب الی ان یقضیہا، اور ظاہر ہے کہ احب استحباب پر ہی دلالت کرتا ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ضم سورت کے قضاء کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ضم سورت واجب ہے اور واجب جب اپنے وقت سے فوت ہو جائے تو اس کی قضاء نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر وہ اخیر کی دو رکعتوں میں سورت کی قضاء کرے یا نہ کرے سجدہ سہو تو واجب ہی ہوگا۔

وجہر بہما الخ: مصنفؒ یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ اگر عشاء کی نماز میں امام سے پہلی دو رکعتوں میں سورت چھوٹ گئی ہو اور وہ اخیر کی دو رکعتوں میں اس کی قضاء کر رہا ہو تو اس کو چاہئے کہ سورہ فاتحہ اور سورت دونوں بالجہر پڑھے کیوں کہ اس صورت میں ادنیٰ (سنت) کو اقویٰ (واجب) کے تابع کرنا لازم آئے گا جو کہ بالکل مناسب اور صحیح ہے۔

ولو ترک فاتحتہما الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے شروع کے دو رکعتوں میں تو سورت پڑھ لی لیکن سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تو اب اس کی قضاء اخیر کی دو رکعتوں میں نہیں کرے گا کیوں کہ اگر اخیر کی دو رکعتوں میں قضاء کرے تو فاتحہ کا تکرار لازم آئے گا جو کہ غیر مشروع اور غیر مناسب ہے۔



شرح وقایہ صفحہ: ۱۵۴

فَإِنْ حَازَتْهُ فِي صَلَوةٍ مُّشْتَرَكَةٍ تَحْرِيمَةً وَأَذَاءً فَسَدَتْ
صَلَوَتُهُ إِنْ نَوَى الْإِمَامُ إِمَامَتَهَا وَالْأَصْلُ صَلَوَتُهَا، فَسَرُوا

الْإِشْتِرَاكَ فِي التَّحْرِيمَةِ بِأَنْ يَكُونَا بَايِنَيْنِ تَحْرِيمَتُهُمَا
عَلَى تَحْرِيمَةِ الْإِمَامِ وَالشُّرُكَةِ فِي الْإِدَاءِ بِأَنْ يَكُونَ لَهُمَا
إِمَامٌ فِيمَا يُؤَدِّيَانِهِ أَمَّا حَقِيقَةُ كَالْمُقْتَدِينَ وَأَمَّا حُكْمًا
كَالْأَحْقَيْنِ.

(الف) ضماں کے مراجع متعین کرتے ہوئے ترجمہ کیجئے (ب) مطلب لکھئے،
محاذات کے لغوی واصطلاحی معنی اور محاذاتِ مفسدہ کی شرائط تحریر کیجئے (ج) نیز
بتائیے کہ تحریمہ واداء میں اشتراک کی کیا صورت ہوگی؟
الجواب:

(الف) ترجمہ: پس اگر کوئی عورت کسی مرد کے برابر کھڑی ہو جائے ایسی
نماز میں جو تحریمہ اور اداء کے اعتبار سے مشترک ہو تو اگر امام نے عورت کے امامت کی
نیت کر لی ہو تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی، ورنہ عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور
علماء نے اشتراک فی التحریمہ کی یہ تفسیر کی ہے کہ مرد و عورت دونوں نے اپنی تحریمہ کی
بنیاد امام کی تحریمہ پر کی ہو، اور شرکت فی الاداء کی تفسیر یہ کی ہے کہ مرد و عورت جو نماز
اداء کر رہے ہیں، اس میں دونوں کا ایک ہی امام ہو یا تو حقیقی طور پر جیسے دو مقتدی
(کہ دونوں کا امام حقیقی طور پر ایک ہی ہے) یا حکماً جیسا کہ دولا حق۔

(ب) تشریح: محاذات کے لغوی معنی ہیں، مقابل ہونا اور برابر ہونا۔
اصطلاحی معنی: عورت کا مرد کے برابر کھڑا ہونا ایسی نماز میں جس
میں دونوں مشترک ہوں۔

یہاں سے مصنف محاذات کا مشہور مسئلہ بیان کر رہے ہیں اور محاذات کا حکم
ثابت ہونے کے لئے چند شرائط ہیں، جس کی طرف شارح نے بھی اشارہ کیا ہے وہ

یہ ہیں۔ (۱) اول یہ کہ دونوں کی نماز تحریمہ واداء کے اعتبار سے مشترک ہو۔ (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ نماز مطلقہ ہو یعنی رکوع سجدہ والی نماز ہو چنانچہ نماز جنازہ میں محاذات مفسد نہیں ہے (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ عورت مشہاۃ ہو خواہ یہ عورت آزاد ہو یا باندی ہو یا ماں بہن کوئی بھی، (۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، مثلاً ستون، وغیرہ یا اتنی جگہ خالی نہ ہو جس میں ایک آدمی کھڑا ہو سکے، اگر درمیان میں ستون وغیرہ حائل ہو یا اتنی جگہ خالی ہو جس میں ایک مرد کھڑا ہو سکے تو محاذات ثابت نہ ہوگی، اور مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی (۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ امام نے عورت کے امامت کی نیت کی ہو، اگر امام نے عورت کے امامت کی نیت نہ کی ہو تو پھر مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی، بلکہ عورت ہی کی نماز فاسد ہوگی۔

اور محاذات تب ہوگی جب کہ عورت کسی مرد کے دائیں یا بائیں کھڑی ہو یا بالکل سامنے مقابل میں ہو، عورت اگر مرد کے بالکل پیچھے ہو تب بھی محاذات ثابت نہ ہوگی، مطلب یہ ہے کہ اگر عورت بیچ صف میں ہو تو اس کی وجہ سے تین آدمیوں کی نماز فاسد ہوگی، ایک وہ جو اس کے دائیں ہو دوسرا وہ جو اس کے بائیں ہو اور تیسرا وہ جو اس عورت کے بالکل پیچھے ہو بقیہ کی نماز فاسد نہ ہوگی، کیوں کہ ان کے لئے یہ لوگ حائل ہو جائیں گے۔

(ج) اشتراک فی التحریمة : اشتراک فی التحریمة یہ ہے کہ دونوں نے اپنے تحریمہ کی بناء ایک ہی امام کے تحریمہ پر کی ہو۔

شرکۃ فی الاداء : شرکت فی الاداء کی صورت یہ ہے کہ وہ دونوں جو نماز اداء کر رہے ہوں ان دونوں کا امام ایک ہی ہو چاہے حقیقی اعتبار سے سے ایک ہو مثلاً دو مقتدی ہیں جو کہ ایک امام کی اقتداء کر رہے ہوں، یا پھر حکماً دونوں کا امام ایک ہو، جیسے کہ دولا حق، اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایک مرد و عورت نے کسی شخص کی اقتداء کی

مثلاً اگر دور رکعت والی نماز ہے، دونوں نے پہلی رکعت امام کے ساتھ مکمل کر لی پھر ان دونوں کو حدیث لاحق ہو گیا، انہوں نے جا کر وضوء کیا اور نماز کی بناء اس حال میں کی کہ امام نماز سے فارغ ہو چکا تھا، اب ان لاحقوں کا اگرچہ حقیقۃً امام موجود نہیں لیکن حکماً امام موجود ہے، چوں کہ انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ اپنی پوری نماز امام کے پیچھے ادا کریں گے، لہذا ان کو ایسا ہی مانا جائے گا کہ یہ امام کے پیچھے ہیں، یہاں تک کہ ان کے لئے مقتدیوں کے احکام ثابت ہوں گے، مثلاً قراءت کا حرام ہونا، اور اگر ان سے کچھ سہو ہو جائے تو سجدہ سہو کا لازم نہ ہونا وغیرہ۔ اب اگر اس حالت میں جب کہ یہ لاحق اپنی چھوٹی ہوئی دوسری رکعت پوری کر رہا ہے، اب وہ عورت اس کے محاذات میں کھڑی ہو جائے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ حکماً دونوں کا ایک امام موجود ہے۔



شرح وقایہ صفحہ: ۱۵۷

صَلَّى أُمِّيْ بِقَارِيٍّ وَأُمِّيْ أَوْ اسْتَخْلَفَ فِي الْأَخْرَيْنِ أُمِّيًّا
فَسَدَتْ لِلْكَلِّ أَيُّ إِنْ أُمُّ أُمِّيِّ قَارِيًّا وَأُمِّيًّا فَسَدَتْ صَلَوةُ
الْكَلِّ وَلَوْ اسْتَخْلَفَ الْقَارِيُّ فِي الْأَخْرَيْنِ أُمِّيًّا فَسَدَتْ
صَلَوةُ الْكَلِّ خِلَافًا لِّزُفَرٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) واستخلف وفسدت کی ضمیر کا مرجع اور فی الاخرین کی قید کا فائدہ نیز امی کے مرادی معنی لکھئے، اور قاری والی میں سے ہر ایک کے فسادِ صلوة کی وجہ بیان کیجئے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: امی (ان پڑھ) نے قاری وامی کے ساتھ نماز پڑھی یا قاری نے اخیر کی دو رکعتوں میں کسی امی کو اپنا خلیفہ بنایا تو تمام کی نماز فاسد ہوگی، یعنی کسی امی نے قاری وامی کی امامت کی تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر کسی قاری نے اخیر کی دو رکعتوں میں کسی امی کو اپنا نائب بنادیا تب بھی تمام کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس میں امام زفر کا اختلاف ہے۔

(ب) تشریح: واستخلف ای القارئ . فسدت ای الصلوة .

امی: وہ شخص جس کو مایجوز بہ الصلوة قرآن یاد نہیں ہے۔

فی الاخرین کی قید کا فائدہ صورت مسئلہ سے واضح ہو جائے گا۔

صلی امی الخ: صورت مسئلہ اس طرح ہے کہ ایک جگہ تین آدمی جمع ہیں جن میں دو امی ہیں اور ایک قاری ہے (یعنی اس کو مایجوز بہ الصلوة قرآن یاد ہے) اب یہ تینوں جماعت سے نماز پڑھتے ہیں اور ایک امی شخص قاری وامی کی امامت کرتا ہے تو تمام کی نماز فاسد ہے قاری کی تو اس لئے کہ اس کو حقیقتاً قراءت پر قدرت تھی اور قدرت کے باوجود رکن قراءت چھوٹ گیا اس لئے اس کی نماز فاسد ہوگی، اور دونوں امیوں کی نماز اس لئے فاسد ہوگی کہ جب انہوں نے جماعت سے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو ان پر لازم تھا کہ وہ قاری کی اقتداء کرتے تاکہ قاری کی قراءت تقدیراً ان دونوں کی قراءت بن جاتی اب چونکہ ان دونوں نے اس تقدیری قراءت کو چھوڑ دیا جس پر انہیں قدرت تھی، لہذا ان دونوں کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

او استخلف القارئ الخ: یہاں مسئلہ یہ ہے کہ ایک قاری نے چند لوگوں کی امامت کی کسی ایسی نماز میں جو چار رکعت والی ہے اور اس قاری امام نے دو رکعتیں نماز پڑھالیں پھر اس کو حدیث پیش آگیا اب اس نے بقیہ دو رکعتیں پوری کرنے کے لئے کسی امی کو اپنا نائب بنایا تو اس صورت میں بھی سب کی نماز فاسد ہو جائے گی اس

امی کی بھی جو نائب بنا ہے اور قاری امام و بقیہ مقتدی سب کی نماز فاسد ہو جائے گی، لیکن اس میں امام زفر کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ شروع کی دو رکعتوں میں قراءت کا فرض اداء ہو گیا اور اخیر کی دو رکعتوں میں قراءت فرض نہیں ہے اس لئے تمام کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

احناف کی طرف سے امام زفر کے استدلال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ اخیر کی دو رکعتوں میں قراءت فرض نہیں بلکہ پوری نماز میں قراءت فرض ہے شروع کی دو رکعتوں میں تو تحقیقاً اور اخیر کی دو رکعتوں میں تقدیراً اور چوں کہ امی قراءت پر بالکل قادر نہیں ہے اس لئے اخیر کی دو رکعتوں میں تقدیری قراءت نہیں پائی گئی، لہذا نماز فاسد ہو جائے گی۔

فی الاخرین کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر قاری پہلی دو رکعتوں میں امی کو اپنا خلیفہ بنادے تب تو بالاتفاق تمام کی نماز فاسد ہو جائے گی، اختلاف تو اس صورت میں ہے جب کہ قاری امام دو رکعتیں پڑھا کر آخری دو رکعتوں میں اپنا نائب بنائے۔



شرح وقایہ صفحہ: ۱۵۸

مُصَلِّ سَبَقَهُ الْحَدَّثُ تَوْضِئاً وَ أَتَمَّ خِلَافاً لِلشَّافِعِيِّ وَ لَوْ
بَعْدَ التَّشَهُّدِ خِلَافاً لَّهُمَا ، فَإِنَّهُ إِذَا قَعَدَ قَدَرَ التَّشَهُّدَ تَمَّتْ
صَلَاتُهُ ، وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَمْ يَتِمَّ لِأَنَّ الْخُرُوجَ
بِصُنْعِهِ فَرَضٌ عِنْدَهُ ، وَ الْإِسْتِيفَانُ أَفْضَلُ .

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) مطلب اس طرح لکھئے کہ
زیر بحث مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف مکمل طور سے واضح ہو جائے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: کسی نماز پڑھنے والے کو حدث پیش آجائے تو وہ وضو کر کے اپنی نماز پوری کر لے، اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ اگرچہ حدث تشہد کے بعد پیش آئے اس میں صاحبینؒ کا اختلاف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک جب وہ تشہد کی مقدار بیٹھے تو نماز پوری ہو جاتی ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز پوری نہیں ہوئی، کیونکہ ان کے نزدیک خروج بصدقہ فرض ہے۔ اور نماز کو از سر نو پڑھ لینا بہتر ہے۔

(ب) تشریح: مصلیٰ چاہے امام ہو، مقتدی ہو یا منفرد ہو، اگر اس کو خود بخود بلا ارادہ حدث لاحق ہو جائے تو وہ جا کر وضو کرے اس کے بعد اسے اختیار ہے کہ وہ اپنی بقیہ نماز پوری کر لے، اسی کو بناء کہتے ہیں، البتہ بناء کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ حدث لاحق ہونے کے بعد فوراً وضو کے لئے چلا جائے اتنی دیر نہ ٹھہرے کہ ایک رکن اداء ہو سکے ورنہ بناء درست نہ ہوگی، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ وضو کے لئے آنے اور جانے کے درمیان کوئی ایسا فعل نہ کرے جو منافی صلوٰۃ ہو مثلاً کسی سے بات نہ کرے یا قصد احدث نہ کرے یا ستر نہ کھولے تب ہی بناء درست ہوگی ورنہ از سر نو نماز پڑھنی ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ بناء کی اجازت اسی وقت ہوگی جب کہ حدث خود بخود بلا اختیار و ارادہ لاحق ہو، اور حدث کے لاحق ہونے میں اس کا یا کسی اور کا دخل نہ ہو مثلاً اس کو کوئی پھوڑی وغیرہ تھی اس نے نماز میں اس کو دبا دیا جس کی بناء پر خون یا پیپ بہہ گیا تو اب بناء درست نہ ہوگی، اسی طرح اگر کسی نے اس کو پتھر مار دیا جس کی وجہ سے خون نکل کر بہہ گیا تو بھی بناء درست نہ ہوگی بلکہ وضو کر کے از سر نو نماز کا اعادہ ضروری ہوگا، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک بناء کی اجازت نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک حدث لاحق ہونے کی صورت میں نماز ٹوٹ جائے گی، وضو کر کے از سر نو نماز کا اعادہ ضروری

ہوگا، ان کی دلیل یہ ہے کہ نماز کے لئے وضو شرط ہے جب وضو باقی نہ رہا تو نماز بھی باقی نہ رہے گی، اس کے علاوہ جب وہ وضو کے لئے جائے گا تو چلنا لازم ہوگا پھر قبلہ سے انحراف ہوگا اور یہ دونوں عمل نماز کو فاسد کرنے والے ہیں، لہذا نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔

ہماری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے: **من قاء او رعف او امذى فى صلوته فلينصرف ويتوضأ وليبن على صلوته مالم يتكلم**۔ یعنی جس کو نماز میں قے ہو جائے یا نکسیر پھوٹ جائے، یا مڈی نکل پڑے تو اس کو چاہئے کہ وہ پھر جائے اور وضو کر کے اپنی نماز پر بناء کر لے جب تک کہ بات نہ کرے، اس حدیث سے واضح طور پر بناء کی اجازت معلوم ہو رہی ہے۔

ولو بعد التشهد الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قعدہ میں ہو اور تشہد پڑھ چکا ہو پھر اس کو حدث لاحق ہو گیا تو کیا اس کی نماز پوری ہو گئی یا وضو کر کے بناء کرتے ہوئے نماز پوری کرنی ہوگی، اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، صاحبین کے نزدیک تو اس کی نماز پوری ہو گئی بناء کی ضرورت نہیں کیوں کہ قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بقدر بیٹھنا فرض تھا وہ ادا ہو گیا، لہذا نماز پوری ہو گئی۔

لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی نماز پوری نہیں ہوئی کیوں کہ ان کے نزدیک خروج بصنعہ یعنی بالارادہ کسی منافی صلوۃ فعل کے ذریعہ نماز سے نکلنا فرض ہے اور وہ نہیں پایا گیا لہذا اس کو وضو کر کے نماز پوری کرنی ہوگی۔

والاستيناف افضل: سے مصنف یہ بیان فرما رہے ہیں کہ بناء کی اگرچہ اجازت ہے لیکن نماز کا از سر نو پڑھ لینا ہی افضل اور بہتر ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ منفرد کے لئے استیناف ہی افضل ہے، البتہ امام یا مقتدی کے لئے بناء افضل ہے تاکہ جماعت کی فضیلت باقی رہے۔

شرح وقایہ صفحہ: ۱۶۳

(وَيُفْسِدُ الصَّلَاةَ) الْإِيْنُ وَ التَّأْوُهُ وَ التَّافِيْفُ وَ الْبُكَاءُ
بِصَوْتٍ مِّنْ وَجَعٍ أَوْ مُصِيبَةٍ وَ تَخْنُجُ بِلا عَذْرِ وَ تَشْمِيْثُ
عَاطِشٍ وَ جَوَابُ خَبَرٍ سُوءٍ بِإِلَّا سِتْرُ جَاعٍ وَ سَارٌّ بِالْحَمْدِ لَةِ
وَ عَجِيْبٍ بِالسَّبْحِ لَةِ وَ الْهَيْلَلَةِ وَ فَتْحُهُ عَلَى غَيْرِ إِمَامِهِ.
(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) مطلب لکھئے نیز مذکورہ
چیزوں سے نماز کے فاسد ہونے کی وجہ بھی لکھئے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور (نماز کو فاسد کر دیتا ہے) کراہنا، اور اوہ اوہ کرنا، اف
اف کرنا اور تکلیف و مصیبت کی بناء پر باواز رونا اور بلا عذر کھنکھارنا، اور چھینکنے والے کا
جواب دینا اور کسی بری خبر کا جواب انا للہ کے ذریعہ دینا اور خوش خبری کا جواب الحمد للہ
کے ذریعہ دینا اور عجیب خبر کا جواب سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کے ذریعہ دینا، اور امام
کے علاوہ کسی اور کو لقمہ دینا۔

(ب) تشریح: بتلائے درد کی آواز کو این کہتے ہیں جس کو اردو میں کراہنا کہا
جاتا ہے یعنی درد کی وجہ سے آہ آہ کی آواز نکالنا، اوہ اوہ کرنا اور اف اف کرنا یہ تقریباً
ایک ہی جیسے ہیں اور ان میں چونکہ جزع و فزع کا اظہار ہوتا ہے، لہذا یہ کلام الناس
کے حکم میں ہوں گے اور ان سے نماز فاسد ہو جائے گی، اسی طرح کسی مصیبت یا
تکلیف کی بناء پر اس طرح رویا کہ زبان سے کچھ الفاظ نکل گئے تو بھی نماز فاسد ہو
جائے گی، لیکن اگر جہنم کے خوف سے باواز رویا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اسی طرح اگر کسی
نے بغیر عذر کے کھنکھارا جس کی بناء پر ”أح“ کے الفاظ پیدا ہو گئے تب بھی نماز فاسد

ہو جائے گی، اسی طرح کسی چھینکنے والے کا جواب یرحمک اللہ کے ذریعہ دینا، اسی طرح نماز کی حالت میں کوئی بری خبر ملی اور اس نے انا لله وانا الیہ راجعون پڑھ لی یا کسی خوش خبری پر الحمد للہ کہہ لیا یا کوئی عجیب و غریب بات سامنے آئی تو اس نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تو تمام صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ یہ سب کلام الناس کے مشابہ ہیں۔

وفتحہ علی غیر امامہ: یعنی اپنے امام کے علاوہ کسی اور کو لقمہ دینا بھی نماز کو فاسد کر دیتا ہے، کیوں کہ یہ تعلیم و تعلم ہے اور تعلیم و تعلم کلام الناس میں سے ہے، لہذا یہ نماز کو فاسد کر دے گا، لیکن اگر اپنے امام کو لقمہ دیا تو اس میں مشائخ کے مختلف اقوال ہیں، بعض تو یہ کہتے ہیں کہ اگر امام مایجوز بہ الصلوۃ قراءت کر چکا ہو یا کسی دوسری آیت کی طرف منتقل ہو گیا اور پھر اس نے لقمہ دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر امام نے لقمہ لیا تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

اور دوسرے بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں یعنی مایجوز بہ الصلوۃ قراءت کر چکا ہو یا نہ کیا ہو، دوسری آیت کی طرف منتقل ہو یا نہ ہو، کسی بھی صورت میں لقمہ دینے پر نماز فاسد نہ ہوگی، شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بعض اساتذہ اور مشائخ سے سنا ہے کہ فتویٰ اسی دوسرے قول پر ہے، یعنی نماز کے فاسد نہ ہونے پر فتویٰ ہے۔



شرح وقایہ صفحہ: ۱۶۷

وَ حَاذِیْ الْأَعْضَاءُ الْأَعْضَاءَ لَوْ كَانَ عَلَى دُكَّانٍ وَيَغْرِزُ
أَمَامَهُ فِي الصُّحُرَاءِ سُتْرَةٌ بِقَدْرِ ذِرَاعٍ وَغِلْظُ أَصْبُعٍ بِقُرْبِهِ

عَلَى أَحَدٍ حَاجِبِيهِ وَلَا تُوضَعُ وَلَا يَخْطُ وَيَذْرَأُ بِالتَّسْبِيحِ
أَوْ الْإِشَارَةِ لَا بِهِمَا إِنْ عَدِمَ سُتْرَةٌ أَوْ مَرَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا،
وَكَفَى سُتْرَةٌ الْإِمَامُ وَجَازَ تَرْكُهَا عِنْدَ عَدَمِ الْمُرُورِ وَ
الطَّرِيقِ وَكُرِهَ سَدُّ الثُّوبِ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) مطلب لکھئے اور مذکورہ مسائل کی واضح

تشریح کیجئے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ : اور (گزرنے والے کے) اعضاء کا مصلی کے اعضاء

کے محاذی ہونا اگر مصلی چبوترے پر ہو، اور مصلی میدان میں اپنے سامنے سترہ
گاڑ لے، جو لمبائی میں ایک ذراع کے بقدر ہو اور انگل کے برابر موٹا ہو، اپنے قریب
دونوں بھٹوں میں سے کسی ایک بھٹوں کے مقابل، اور سترہ زمین پر نہ رکھے اور نہ
خط کھینچے، اور گزرنے والے کو دفع کرے تسبیح یا اشارہ کے ذریعہ نہ کہ دونوں کے ذریعہ
سترہ نہ ہونے کی صورت میں یا جب کہ گزرنے والا اس کے اور سترہ کے درمیان سے
گزر رہا ہو، اور امام کا سترہ تمام کے لئے کافی ہو جائے گا، اور سترہ کا ترک کرنا جائز
ہے عدم مرور اور عدم طریق کی صورت میں، اور سدل ثوب مکروہ ہے۔

(ب) تشریح : صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مصلی چبوترہ پر نماز پڑھ رہا ہے

اور دوسرا اس کے سامنے سے چبوترے کے نیچے سے گزر رہا ہے تو یقیناً وہ موضع سجدہ
سے نہیں گزر رہا ہے، لہذا گزرنے والا گنہگار نہیں ہوگا ایک روایت کے مطابق، لیکن
دوسری روایت کے مطابق اگر چبوترے سے نیچے گزرنے والا ایسی جگہ سے گزر رہا
ہے کہ اگر مصلی اپنے جائے سجدہ پر نگاہ کرے تو وہاں تک نگاہ پڑ جاتی ہے اور گزرنے
والے کے بعض اعضاء مصلی کے بعض اعضاء کے محاذی اور برابر ہو جاتے ہیں تو

گزر نے والا گنہگار ہوگا ورنہ نہیں، اسی لئے مصنفؒ نے فرمایا کہ گزرنے والے کے اعضاء کا مصلی کے اعضاء کے محاذی ہونا باعثِ گناہ ہے، اور یہ گنہگار ہونا دوسری روایت کے مطابق ہے۔

ویغرز امامہ الخ: اگر کوئی شخص میدان میں جہاں کوئی آڑ نہ ہو وہاں نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ اپنے لئے سترہ گاڑ لے، جو اونچائی میں ذراع یعنی ایک ہاتھ کے برابر ہو، اور موٹائی میں انگلی کے برابر ہو اور سترہ کا بقدر ذراع ہونا حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ثابت ہے جس میں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سترہ کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے ”مثل مؤخرة الرجل“ فرمایا اور یہ لکڑی عام طور پر ایک ذراع کے برابر ہوتی ہے، اور انگلی کے بقدر موٹی اسلئے ہوتا کہ دور سے نظر آ سکے اور یہ سترہ قریب ہو یعنی سجدہ کی جگہ سے زیادہ دور نہ ہو، اور دونوں بھوؤں میں سے کسی ایک کے مقابل ہو دونوں کے درمیان نہ ہو، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مروی ہے، اور سترہ کو زمین پر ڈال دینا یا سامنے لکیر کھینچ دینا کافی نہ ہوگا، لیکن اگر زمین پتھریلی ہے جس میں گاڑنا ممکن نہ ہو تو صاحبینؒ کے نزدیک سترہ کو طولاً زمین پر رکھ دینا کافی ہے۔

ویدرأہ بالتسبیح الخ: اگر سترہ نہ ہو اور کوئی شخص سامنے سے گزر رہا ہو یا سترہ ہونے کی صورت میں مصلی اور سترہ کے درمیان سے گزر رہا ہو تو اس کو تسبیح یا اشارہ کے ذریعہ روک دے، اشارہ بھی کرے اور سبحان اللہ بھی کہے ایسا نہ ہو، کیونکہ جب ایک سے کام چل سکتا ہے تو دونوں کا کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہوگا۔

وکفی سترۃ الامام: یعنی اگر جماعت سے نماز ہو رہی ہو تو امام کا سترہ پوری جماعت کے لئے کافی ہو جائے گا، ہر ایک کے لئے الگ الگ سترہ کی ضرورت نہ ہوگی۔

وَجَازَ تَرَكَهَا: اگر سامنے راستہ نہ ہو یا ایسی جگہ ہو جہاں کسی کے گزرنے کا اندیشہ نہ ہو تو سترہ کا ترک کرنا جائز ہے۔

وَكُرِهَ سَدْلُ الثُّوبِ: اور سدل ثوب مکروہ ہے، مغرب (لغت کی کتاب ہے جو کتب فقہ میں متداول ہے) کے اندر سدل ثوب کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں کہ کپڑے کے جانبین کو ملائے بغیر بدن پر ڈال لیا جائے، بعض لوگوں نے یہ معنی بیان کئے کہ سر پر ڈال کر کندھوں پر لٹکا لیا جائے جیسا کہ آج کل عام عربوں کی عادت ہے، تو ایسا کرنا مصنفؒ نے فرمایا کہ مکروہ ہے۔



شرح وقایہ صفحہ: ۱۷۱

وَقَضَى رَكْعَتَانِ لَوْ نَقَضَ فِي الشَّفْعِ الْأَوَّلِ أَوِ الثَّانِي كَمَا لَوْ
تَرَكَ قِرَاءَةَ شَفْعِيهِ أَوِ الْأَوَّلِ أَوِ الثَّانِي أَوْ أَحَدِي الثَّانِي أَوْ
أَحَدِي الْأَوَّلِ أَوِ الْأَوَّلِ وَأَحَدِي الثَّانِي لَا غَيْرَ وَارْبَعٌ لَوْ تَرَكَ
الْقِرَاءَةَ فِي أَحَدِي كُلِّ شَفْعٍ أَوْ فِي الثَّانِي وَأَحَدِي الْأَوَّلِ.

(الف) عبارت باعرب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) ماتن علیہ الرحمہ نے نفل رباعی کی جو صورتیں ذکر کی ہیں آپ ان کو مع ان کے احکام بوضاحت لکھیں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور دو رکعتیں قضاء کی جائیں گی اگر (نفل نماز کے) شفع اول یا شفع ثانی کو فاسد کر دیا، جیسا کہ اگر کسی نے دونوں شفعوں میں قرأت ترک کی یا شفع اول میں (ترک کر کے دوسرے شفع میں قراءت کر لی) یا دوسرے شفع میں (ترک کر کے پہلی میں پڑھ لی) یا دوسرے شفع میں (ترک کر کے پہلی میں پڑھ لی)

یا دوسرے شفع کی ایک رکعت میں (قراءت ترک کی اور بقیہ میں پڑھ لی) یا پہلے اور دوسرے شفع کی ایک رکعت میں (قراءت ترک کی) ان کے علاوہ میں نہیں، اور چار رکعتیں قضاء کرے اگر ہر شفع کی ایک ایک رکعت میں قراءت ترک کی ہو یا دوسرے شفع کی ایک ایک رکعت میں قراءت ترک کی ہو یا دوسرے شفع اور پہلے شفع کی ایک ایک رکعت میں (قراءت ترک کی ہو)

(ب) تشریح: شفع، بفتح الشین: نماز کی ہر دو رکعت کو شفع کہتے ہیں، مثلاً چار رکعت والی نماز میں پہلی دو رکعت کو شفع اول اور اخیر کی دو رکعت کو شفع ثانی کہتے ہیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے چار رکعت نفل نماز شروع کی اور پہلی یا دوسری رکعت میں نماز کو فاسد کر دیا تو اس پر صرف شفع اول یعنی پہلی دو رکعتوں کی ہی قضاء لازم ہوگی۔ اسی طرح دو رکعت مکمل کر لی، پھر تیسری یا چوتھی رکعت میں نماز کو فاسد کر دیا تو اس صورت میں بھی صرف دو رکعت یعنی شفع ثانی کی قضاء لازم ہوگی، کیوں کہ نفل نماز کا ہر شفع مستقل نماز کا حکم رکھتا ہے۔

اس مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ چاہے شفع اول میں نماز فاسد کرے یا شفع ثانی میں مکمل چار رکعت کی قضاء واجب ہوگی، امام ابو یوسفؒ چار رکعت کی نیت سے نماز شروع کرنے کو نذر پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح اگر کسی نے چار رکعت کی نذر مانی تو چار رکعت اس پر واجب ہو جاتی ہے، اسی طرح چار رکعت کی نیت سے نماز شروع کرے تو اس پر چار رکعت نماز واجب ہو جائے گی، لہذا فاسد کرنے کی صورت میں مکمل چار رکعت کی قضاء لازم ہوگی۔

طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ نفل نماز شروع کرنے سے اس کا واجب ہونا مسلم ہے، لیکن جو شروع کیا وہی واجب ہوگا اور چوں کہ نفل کا شفع ایک مستقل نماز ہے، اس

لئے شروع کرنے سے ایک شفع واجب ہو جائے گا، اور اگر فساد لازم آئے تو ایک ہی شفع میں لازم آئے گا، اس لئے اگر کسی نے چار رکعت کی نیت سے نماز شروع کی لیکن دو رکعت کے بعد قعدہ کر کے سلام پھیر لیا تو اس پر نہ تو شفع اول کی قضاء لازم ہوگی نہ شفع ثانی کی، کیوں کہ شفع اول تو مکمل ہو گیا اور شفع ثانی شروع نہیں ہوا اور جب شفع ثانی شروع نہیں کیا تو اس کی قضاء بھی لازم نہ ہوگی۔



شرح وقایہ صفحہ: ۱۷۵

وَسُنُّ الشَّرَائِخِ عَشْرُونَ رَكْعَةً بَعْدَ الْعِشَاءِ قَبْلَ الْوُتْرِ
وَبَعْدَهُ خَمْسُ تَرَوِيحَاتٍ لِكُلِّ تَرَوِيحَةٍ تَسْلِيمَتَانِ وَجَلْسَةٌ
بَعْدَهُمَا قَدَرُ تَرَوِيحَةٍ وَالسُّنَّةُ فِيهَا الْخَتْمُ مَرَّةً وَلَا يَتْرُكُ
لِغَسْلِ الْقَوْمِ وَلَا يُؤْتَرُ بِجَمَاعَةٍ خَارِجَ رَمَضَانَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں، (ب) مطلب لکھیں اور بتائیں کہ کیا تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے؟ سنت مؤکدہ ہونے کی دلیل لکھ کر ترویجہ کی مراد اور مقدار، نیز ترویجہ میں مصلی کے لئے کون سا عمل مستحسن ہے تحریر کریں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: تراویح بیس رکعت سنت مؤکدہ ہے عشاء کے بعد وتر سے پہلے اور وتر کے بعد، اور تراویح میں پانچ ترویحات ہیں، اور ہر ترویجہ میں دو سلام ہیں اور ان سلاموں کے بعد ترویجہ کی مقدار ایک جلسہ ہے، اور تراویح میں ایک قرآن کا ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے اور ختم قرآن کو نہ چھوڑا جائے قوم کی سستی و کاہلی کی بناء پر۔ اور رمضان کے علاوہ جماعت سے وتر نہ پڑھی جائے۔

(ب) تشریح: تراویح بیس رکعتوں کے ساتھ سنت مؤکدہ ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے اس پر صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدین کی مواظبت ثابت ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين“ سے خلفائے راشدین کے فعل کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ترک مواظبت کی اس کا عذر بھی بیان کر دیا، چنانچہ مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین راتوں میں صحابہ کے ساتھ قیام کیا تیسیویں، پچیسویں اور ستائیسویں میں اس کے بعد فرمایا ”لم یمنعه من الخروج اليکم الا انی خشیت ان تفرض علیکم“ کہ بعد میں اس لئے نہیں نکلا کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے، البتہ تعداد میں اختلاف ہے، بعض روایتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آٹھ رکعات پڑھنا ثابت ہے، بعض سے بیس، لیکن صحابہؓ نے بیس ہی پر مواظبت فرمائی ہے اس لئے بیس ہی رکعت سنت مؤکدہ ہے۔

بعد العشاء الخ: سے تراویح کا وقت بیان فرما رہے ہیں کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد وتر سے پہلے ہے، اگر بھولے سے وتر پڑھ لی ہو تب بھی تراویح پڑھ سکتے ہیں، اور اگر کوئی دوران تراویح پیشاب وغیرہ کے لئے جائے جس کی وجہ سے تراویح کی کچھ رکعتیں چھوٹ جائیں تو امام کے ساتھ وتر پڑھ لے اور بعد میں تراویح کی باقی ماندہ نماز پڑھ لے۔

خمس ترویحات الخ: ترویحات جمع ترویحة: ترویجہ راحت سے مشتق ہے، معنی آرام لینے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ بیس رکعات میں پانچ ترویحات ہوں، ہر ترویجہ دو سلام کا ہو یعنی ہر دو رکعت کے بعد سلام ہو اور چار رکعت کے بعد ترویجہ ہو، اور آرام کے لئے اتنی دیر بیٹھے جتنا وقت چار رکعت پڑھنے میں لگا ہو، یہی مستحب ہے۔

اور دورانِ ترویج یہ دعاء پڑھنا مستحسن عمل ہے، وہ دعاء یہ ہے: سبحان ذی الملك والملکوت سبحان ذی العزۃ والعظمة والهیبة والقدرة والكبریاء والجبروت، سبحان الملك الحی الذی لا ینام ولا یموت، سبحان قدوس ربنا ورب الملائکة والروح اللهم اجرنا من النار یا مجیر یا مجیر یا مجیر .

اور اگر یہ دعاء یاد نہ ہو تو دیگر تسبیحات یا ذکر اللہ میں لگا رہے۔
والسنة فیہا الخ: تراویح میں ایک قرآن کا ختم کرنا سنت ہے لوگوں کی سستی اور کاہلی کی وجہ سے اس کو ترک کرنے کی اجازت نہیں ہے۔
ولا یؤثر جماعۃ الخ: رمضان کے علاوہ وتر کو جماعت سے نہ پڑھا جائے کیوں کہ وتر کی جماعت صحابہ سے صرف رمضان میں ثابت ہے، رمضان کے علاوہ میں ثابت نہیں ہے اور غیر رمضان میں وتر کی جماعت نہ ہونے پر امت کا اجماع بھی ہے۔



شرح وقایہ صفحہ: ۱۸۴

مَنْ صَلَّى خَمْسًا ذَاكِرًا فَائِتَةً فَسَدَ الْخَمْسُ مَوْقُوفًا إِنْ
 أَذَى سَادِسًا صَحَّ الْكُلُّ وَإِنْ قَضَى الْفَائِتَةَ بَطَلَ فَرَضِيَّةُ
 الْخَمْسِ لَا أَصْلَهَا وَإِنَّمَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ بِالْفَسَادِ
 الْمَوْقُوفِ لِأَنَّهُ إِنْ فَسَدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهَا لَوْ جُوبَ رِعَايَةُ
 التَّرْتِيبِ فَسَادًا غَيْرَ مَوْقُوفٍ فَحِينَ أَذَى السَّادِسَ تَبَيَّنَ أَنَّ
 رِعَايَةَ التَّرْتِيبِ كَانَتْ فِي الْكَثِيرِ وَهَذَا بَاطِلٌ، فَقُلْنَا

بِالتَّوَقُّفِ حَتَّى يَظْهَرَ أَنَّ رِعَايَةَ التَّرْتِيبِ إِنْ كَانَتْ فِي
الْكَثِيرِ فَلَا تَجُوزُ وَإِنْ كَانَتْ فِي الْقَلِيلِ فَتَجُوزُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) بتائیے کہ قضاء نمازوں میں ترتیب کب واجب ہوتی ہے اور کب ساقط ہوتی ہے؟ (ج) صورت مسئلہ لکھ کر فساد موقوف اور غیر موقوف میں ائمہ احناف کا اختلاف تحریر کریں، اصل نماز اور فرضیت کے باطل ہونے میں حضرات شیخینؒ اور امام محمدؒ کا مسلک بیان کریں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: کسی نے فائستہ نمازیں یاد رہتے ہوئے پانچ نمازیں پڑھ لیں، تو پانچوں نمازیں موقوفاً فاسد ہوں گی، اب اگر چھٹی نماز ادا کر لی تو تمام نمازیں صحیح ہو جائیں گی اور اگر فائستہ کی قضاء کر لی تو پانچوں نمازوں کی فرضیت باطل ہو جائے گی اس کی اصل باطل نہ ہوگی.....

اور امام ابوحنیفہؒ نے جو فساد موقوف کہا ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ اگر ان میں سے ہر ایک نماز فاسد ہو جائے، رعایت ترتیب کے واجب ہونے کی بناء پر فساد غیر موقوف کے طور پر تو جب وہ چھٹی نماز ادا کرے گا تو واضح ہو جائے گا کہ رعایت ترتیب کثیر میں تھی حالانکہ یہ باطل ہے، پس ہم نے توقف کیا یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے کہ ترتیب کی رعایت اگر کثیر میں ہے تو رعایت جائز نہ ہوگی اور اگر قلیل میں ہے تو جائز ہو جائے گی۔

(ب) اگر کسی شخص کی پانچ نمازیں فوت ہو گئی ہوں تو ان کی قضاء میں ترتیب واجب ہے یعنی اگر کسی شخص کی فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء فوت ہو گئی ہوں اب دوسرے دن کی فجر پڑھنے سے پہلے ان فائستہ نمازوں کی قضاء ضروری ہے اور ساتھ میں یہ بھی ضروری ہے کہ ان فوت شدہ نمازوں کو ترتیب سے قضاء کرے یعنی پہلے فجر

کی قضاء کرے پھر ظہر کی پھر عصر کی پھر مغرب کی پھر عشاء کی اور ساتھ میں وتر کی بھی قضاء کرے اور اگر بعض نمازیں فوت ہوئی ہیں تو بھی ان میں اور وقتیہ میں ترتیب شرط ہوگی، مثلاً اگر کسی کی مغرب و عشاء اور وتر فوت ہو چکی ہوں تو وقتیہ یعنی فجر سے پہلے ان کی قضاء ضروری ہوگی، یعنی پہلے مغرب کی قضاء کرے پھر عشاء کی پھر وتر کی قضاء کرے پھر فجر کی نماز پڑھے۔

یہ تو اس وقت ہے جب کہ پورا وقت ملے لیکن وقت تنگ ہونے کی بناء پر ترتیب ساقط ہو جاتی ہے، لیکن اگر فائتہ میں سے بعض کی گنجائش ہو اور اس میں ترتیب کی رعایت کی جاسکتی ہے تو پھر ترتیب کی رعایت کرنا بہتر ہے جیسا کہ ظہر و عصر فوت ہونے کی صورت میں اگر مغرب میں صرف سات رکعت کی گنجائش ہو تو ظہر کی فائتہ نماز پڑھ لے، عصر کی نہ پڑھے، لیکن اگر کسی نے فائتہ میں سے بعض کی گنجائش ہونے کے باوجود تمام فائتہ نمازیں چھوڑ دیں اور صرف وقتیہ نماز ادا کی تو مجتبیٰ وغیرہ میں لکھا ہے کہ اس کی ادا صحیح ہو جائے گی کیوں کہ وقت کی تنگی کی بناء پر ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔

(ج) تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً اگر کسی شخص کی ظہر کی نماز فوت ہوگئی اور اس نے یہ یاد ہونے کے باوجود کہ میری ظہر کی نماز فوت ہوگئی ہے عصر، مغرب، عشاء، فجر اور ظہر یہ کل پانچ نمازیں ادا کر لیں تو اس کی پانچ نمازیں فاسد ہیں، اس لئے کہ اس پر ترتیب کی رعایت واجب تھی، لیکن ہمارے ائمہ میں اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ فساد موقوفہ ہے یا غیر موقوفہ، صاحبینؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ فساد غیر موقوفہ ہوگا، کیوں کہ قیاس یہ کہتا ہے کہ ترتیب کو ساقط کرنے والی کثرت وہ کثرت ہے جو اداءِ صلوٰۃ سے پہلے پائی جائے، اور چوں کہ یہ کثرت نہیں پائی گئی، لہذا یہ نمازیں حتمی طور پر فاسد ہو جائیں گی، چاہے اس کے بعد کثرت پائی جائے یا نہ پائی جائے۔

اور امام ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ یہ فساد، فسادِ موقوفہ ہوگا، کیوں کہ اگر ان

نمازوں کو رعایت ترتیب کے واجب ہونے کی بناء پر فاسد قرار دیا جائے تو جب وہ چھٹی نماز اداء کرے گا تو یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ ترتیب کی رعایت کثیر میں ضروری تھی، حالانکہ یہ باطل ہے، کیونکہ کثرت تو ترتیب کو ساقط کر دیتی ہے، لہذا ہم نے توقف کا حکم دیا کہ دیکھیں وہ دوسرے دن کی عصر جو کہ چھٹی نماز ہوگی اس کو اداء کر لیتا ہے یا اس سے پہلے فائتہ کی قضاء کرتا ہے اب اگر وہ فائتہ کی قضاء کئے بغیر دوسرے دن کی عصر پڑھ لیتا ہے تو ظاہر ہو جائے گا کہ ترتیب کی رعایت کثیر میں ہے، لہذا رعایت جائز نہ ہوگی اور تمام نمازیں درست ہو جائیں گی اور اگر وہ ظہر کی قضاء کر لیتا ہے تو ظاہر ہوگا کہ ترتیب کی رعایت قلیل میں ہے، لہذا ترتیب کی رعایت کرنا ضروری ہوگا، اور ترتیب کی رعایت نہ ہونے کی بناء پر تمام نمازیں فاسد قرار دی جائیں گی۔

وان قضی الفائتہ: مصنفؒ یہاں سے یہ مسئلہ بیان فرما رہے ہیں کہ اس کی یہ جو پانچوں نمازیں فاسد ہوتی ہیں، یہ اصلاً فاسد ہوتی ہیں یا ان کا صرف وصف فرضیت باطل ہوتا ہے تو شیخینؒ فرماتے ہیں کہ اصل نماز باطل نہیں ہوگی بلکہ صرف ان کا وصف فرضیت باطل ہو جائے گا، کیوں کہ بطلان فرضیت سے بطلان اصلیت لازم نہیں آتا، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اصل نماز ہی باطل ہو جائے گی، ان کی دلیل یہ ہے کہ تحریمہ فرض نماز کے لئے منعقد کیا گیا تھا کسی اور نماز کے لئے نہیں اور جب وصف فرضیت باطل ہو گیا تو تحریمہ بھی باطل ہو گیا، اور تحریمہ کے باطل ہونے سے نماز باطل ہو گئی۔

شیخینؒ کی جانب سے اس کا جواب یہ ہے کہ تحریمہ اصل نماز کے لئے منعقد ہوا تھا وصف فرضیت کے ساتھ، اور وصف کے باطل ہونے سے اصل کا باطل ہونا لازم نہیں آتا، لہذا ان نمازوں کی صرف فرضیت باطل ہوگی، اصل نماز باطل نہ ہوگی بلکہ وہ نمازیں نفل ہو جائیں گی۔

شرح وقایہ صفحہ: ۱۹۸

وَشَرْطٌ لِّأَدَائِهَا الْمَضْرُ أَوْ فَنَاءُهُ ، وَمَا لَا يَسَعُ أَكْبَرُ
مَسَاجِدِهِ أَهْلُهُ مَضْرٌ ، وَإِنَّمَا اخْتَارَ هَذَا الْقَوْلَ دُونَ
التَّفْسِيرِ الْأَوَّلِ لِظُهُورِ التَّوَانِي فِي أَحْكَامِ الشَّرْعِ لَا سِيَّمَا
فِي إِقَامَةِ الْحُدُودِ فِي الْأَمْصَارِ ، وَمَا اتَّصَلَ بِهِ مُعَدًّا
لِمَصَالِحِهِ فَنَاءُهُ .

(الف) اعراب لگا کر ”ادائہا“ کی ضمیر کا مرجع ظاہر کرتے ہوئے ترجمہ کیجئے
(ب) مطلب لکھتے ہوئے بتائیے کہ مصر کی پہلی تعریف کیا ہے؟ لظہور التوانی
سے شارح کیا کہنا چاہتے ہیں واضح کیجئے، (ج) فناء مصر کی مثالیں پیش کرتے ہوئے
بتائیے کہ منی اور عرفات میں جمعہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور ادائے جمعہ کے لئے شہر اور فناء شہر شرط ہے، اور جس جگہ
کی سب سے بڑی مسجد وہاں کے رہنے والوں کے لئے کافی نہ ہو وہ مصر (شہر) ہے۔
اور مصنفؒ نے تفسیر اول کے بجائے اس قول کو اختیار کیا ہے، کیوں کہ شہروں میں
احکام شرع کے نفاذ میں بالخصوص حدود کے قائم کرنے میں سستی و نکاسل ظاہر ہو چکا
ہے۔ اور وہ جگہ جو شہر کے مصالح کے لئے بنائی گئی ہے وہ فناء شہر ہے۔

(ب) تشریح: یہاں سے مصنفؒ شروط اداء صلوٰۃ کا تذکرہ کر رہے ہیں،
چنانچہ فرمایا کہ نماز جمعہ کی ادا کے صحیح ہونے کے لئے سب سے پہلی شرط مصر یا فناء مصر
کا ہونا ہے، مصر کی تفسیر میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ سے مصر کی
تعریف یوں منقول ہے کہ وہ جگہ جہاں زندگی کی تمام سہولتیں موجود ہوں اور یہ بھی

منقول ہے کہ وہ جگہ جہاں سرکیں ہوں، یا بازار ہو اور حاکم ہو جو ظالم و مظلوم کے درمیان انصاف کرے اور عالم وغیرہ ہو شاید یہ پہلے قول کی تفسیر ہے، اسی قول کو امام کرنی نے اختیار کیا ہے۔

حدود قائم کرنے کی قید لگا کر قاضیہ عورت کو خارج کر دیا کیوں کہ عورت قاضی تو بن سکتی ہے لیکن حدود قائم نہیں کر سکتی۔

مصر کی تعریف میں دوسرا قول یہ ہے کہ مصر وہ جگہ ہے جہاں کے باشندے اگر وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہوں تو وہ مسجد ان کے لئے کافی نہ ہو، اس قول کو عبداللہ بلخی نے اختیار کیا ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ جہاں دس ہزار کی آبادی ہو وہ مصر ہے، شارح نے امام یوسف کے پہلے دو اقوال نقل کئے ہیں، اور مصنف نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے۔

وانما اختار هذا القول الفخ: شارح مصنف کے دوسرے قول کو

پسندیدہ قرار دینے کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہ آج کے زمانہ میں احکام شرع کے نفاذ اور حدود کے قائم کرنے میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے، اگر اس قول کو اختیار کیا جائے تو تعین مصر میں کافی دقت ہوگی، لظہور التوانی سے شارح یہی کہنا چاہتے ہیں۔

(ج) **وما اتصل به فناء مصر:** یہاں سے مصنف فناء مصر کی

تفسیر کر رہے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ وہ جگہیں جو مصر کی مصلحتوں کے لئے شہر سے باہر ہوتی ہیں وہ فناء مصر میں داخل ہیں جیسے گھوڑ دوڑ کا میدان، لشکروں و فوجیوں کے جمع ہونے یا ان کے مشق و ریاضیت کرنے کا میدان اور قبرستان وغیرہ اور جیسے آج کے زمانہ میں اسٹیڈیم اور پارک وغیرہ۔

منیٰ اور عرفات میں جمعہ کا حکم یہ ہے کہ منیٰ میں حج کے موسم میں خلیفہ وقت یا امیر الحج کے لئے جمعہ قائم کرنے کی اجازت ہے اور امیر الحج سے مراد حجاز کے علاقہ کا حاکم یا گورنر ہے جو خلیفہ یا بادشاہ وقت کی طرف سے متعین ہوتا ہے، البتہ امیر

موسم کے لئے جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔
اور عرفات میں جمعہ قائم نہیں کر سکتے کیوں کہ عرفات میں وقوف کچھ وقت کے لئے ہوتا ہے، منیٰ کی طرح دو چار دن کے لئے نہیں، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ منیٰ حرم میں ہونے کی وجہ سے شہر مکہ کے فناء میں داخل ہو جاتا ہے، جبکہ عرفات حل میں داخل ہے اس لئے وہ فناء مکہ کا حکم نہیں لے سکتا، اور تیسری سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں جمعہ کے دن وقوف کیا تھا لیکن جمعہ نہیں پڑھی تھی بلکہ ظہر پڑھی تھی، اگر عرفات میں جمعہ جائز ہوتا تو آپ وہاں جمعہ ضرور پڑھتے۔



شرح وقایہ صفحہ: ۲۱۶

اَقْتَدُوا مُتَحَلِّقِينَ حَوْلَهَا وَبَعْضُهُمْ اَقْرَبُ مِنْ اِمَامِهِ اِلَيْهَا جَاَزَ
لِمَنْ لَيْسَ فِيْ جَانِبِهِ، اَعْلَمُ اَنَّ لِلْكُعْبَةِ اَرْبَعَةَ جَوَانِبَ بِحَسَبِ
جُذُرَانِهَا الْاَرْبَعَةِ، فَالْوَاقِفُ فِي الْجَانِبِ الَّذِي يَكُوْنُ الْاِمَامُ
فِيْهِ اِذَا كَانَ اَقْرَبَ اِلَيْهَا مِنَ الْاِمَامِ يَكُوْنُ مُتَقَدِّمًا عَلٰى الْاِمَامِ
بِخِلَافِ الْوَاقِفِ فِي الْجَوَانِبِ الثَّلَاثَةِ الْاُخْرٰى.

(الف) عبارت مع اعراب لکھ کر ضمیروں کا مرجع ظاہر کرتے ہوئے ترجمہ
کیجئے، (ب) مطلب تحریر کیجئے، فالواقف الخ سے شارح کیا کہنا چاہتے ہیں
بوضاحت لکھئے، نیز مسئلہ کو مثال سے سمجھائیے۔

الجواب

(الف) ترجمہ: لوگوں نے کعبہ کے ارد گرد حلقہ بنا کر اقتداء کی اور ان میں

سے بعض امام کے بالمقابل کعبہ سے زیادہ قریب ہوں تو ان کی نماز جائز ہے جو امام کی جانب نہ ہوں، جاننا چاہئے کہ کعبہ کے چار جانب ہیں اس کی چار دیواروں کے حساب سے پس اس جانب کھڑا ہونے والا مقتدی جس جانب میں امام ہوا اگر امام کے مقابلہ میں کعبہ سے زیادہ قریب ہو تو وہ امام سے مقدم ہوگا، برخلاف دوسری تینوں جانب میں کھڑا ہونے والا۔

(ب) تشریح: افتدو امتحلقین فالوا فقف الخ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر لوگ کعبۃ اللہ کے ارد گرد حلقہ بنا کر نماز پڑھ رہے ہوں تو جس جانب امام ہے اس جانب کے لوگوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے اور کعبہ کے درمیان کا فاصلہ اس فاصلہ سے زیادہ ہونا چاہئے جتنا فاصلہ امام اور دیوار کعبہ کے درمیان ہے مثلاً اگر امام اور دیوار کعبہ کے درمیان تین گز کا فاصلہ ہے تو ان کے اور دیوار کعبہ کے درمیان تین گز سے زیادہ کا فاصلہ ہونا چاہئے، کیوں کہ اگر تین گز سے کم فاصلہ ہو تو وہ امام سے مقدم ہوں گے اور اگر مقتدی امام سے آگے ہو تو اس کی اقتداء صحیح نہیں ہوتی، البتہ بقیہ تینوں جانب کے مقتدیوں کا دیوار کعبہ سے فاصلہ تین گز سے کم بھی ہو تو حرج نہیں کیونکہ مقدم اور مؤخر ہونے کا اعتبار ایک جہت میں ہوتا ہے۔



کتاب الزکوٰۃ

شرح وقایہ صفحہ: ۲۱۶

هِيَ لَا تَجِبُ إِلَّا فِي نَصَابِ حَوْلِي فَاضِلٍ عَنْ حَاجَتِهِ
الْأَصْلِيَّةِ مَمْلُوكٌ مِلْكًا تَامًا عَلَى حُرٍّ مُكَلَّفٍ ، فَلَا تَجِبُ
عَلَى مُكَاتَّبٍ وَمَدْيُونٍ مُطَالِبٍ مِّنْ عَبْدٍ بِقَدْرِ دَيْنِهِ ، وَلَا فِي
مَالٍ مَّفْقُودٍ وَسَاقِطٍ فِي بَحْرٍ وَمَغْصُوبٍ لَا بَيِّنَةَ عَلَيْهِ
وَمَذْفُونٍ فِي بَرِيَّةٍ نَسِيَ مَكَانَهُ وَدَيْنٍ جَحَدَهُ الْمَدْيُونُ
سِنِينَ ثُمَّ أَقْرَبَ بَعْدَهَا عِنْدَ قَوْمٍ .

(الف) عبارت با اعراب لکھے اور ضماائر کے مراجع متعین کرتے ہوئے ترجمہ کیجئے، (ب) مطلب لکھتے ہوئے ہر مسئلہ کی الگ الگ تشریح کیجئے، اور مدیون کے ساتھ، ”مطالب من عبد الخ“ کی قید کا فائدہ لکھئے، نیز یہ بھی واضح کیجئے کہ حوالانِ حول کو نماء کے قائم مقام کیوں قرار دیا گیا ہے؟

الجواب:

(الف) ترجمہ: وہ (زکوٰۃ) واجب نہیں ہوتی ہے مگر نصابِ حولی میں جو کہ اس کی حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو، وہ نصابِ ملکیتِ تام مملوک ہو، (زکوٰۃ واجب ہوگی) آزاد مکلف پر، پس مکاتب پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور قرض دار پر اس کے قرضہ کے بقدر (مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی) جس قرض کا مطالبہ من جانب عبد ہو، اور ایسے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جو کھو گیا ہو، اور دریا میں گر چکا ہو یا ایسا غصب شدہ ہو جس پر بینہ نہ ہو، یا کسی جنگل میں دفن کیا ہو اور جگہ بھول گیا ہو

یا ایسا دین جس کا مدیون نے چند سالوں تک انکار کیا ہو پھر اس کے بعد ایک قوم کے سامنے اس کا اقرار کیا ہو۔

(ب) **تشریح: ہی لا تجب الخ:** یہاں وجوب سے وجوب معنوی یعنی فرض مراد ہے نہ کہ وجوب اصطلاحی جو کہ دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ زکوٰۃ کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: **آتوا الزکوٰۃ** اور **خذ من اموالهم صدقة تطهرهم**۔ اسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت میں بہت ساری احادیث بھی ہیں، اسی لئے زکوٰۃ کی فرضیت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

نصاب: مال کی اس مقدار کو کہتے ہیں جس سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جیسا کہ احادیث میں سونے چاندی اور سائتمہ جانوروں کی ایک مقدار متعین کی گئی ہے کہ یہ چیزیں جب اس مقدار کو پہنچ جائیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر اس مقدار سے کم ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

حولی: یا کی تشدید کے ساتھ حول کی طرف نسبت ہے اور حول سال کو کہتے ہیں یعنی اس نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے جس پر ایک سال گزر چکا ہو۔

حاجتہ الاصلیۃ: حاجت اصلیہ وہ حاجت اور ضرورت ہے جس کے پورا نہ ہونے پر انسان کی ہلاکت کا اندیشہ ہو، چاہے حقیقی طور پر جیسے نفقہ یعنی کھانے پینے کا خرچ، رہنے کا گھر، جنگ کے آلات اور وہ کپڑے جو سردی گرمی سے بچائے، یا تقدیری طور پر جیسے دین کہ دین کا اداء نہ کرنا انسان کی ہلاکت کا سبب ہو سکتا ہے کیوں کہ قرض خواہ اس کو قید کر واسکتا ہے اور قید ہونا ایک طرح کی ہلاکت ہے۔

شارح نے حولان حول کے شرط ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اصل تو یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف نصاب نامی میں واجب ہوتی ہے، یعنی اس مال میں واجب ہوتی ہے، جس میں بڑھوتری ہو اور سال کا گزرنا بڑھوتری کا سبب ہوتا ہے، کیوں کہ سال

میں چار موسم ہوتے ہیں، ربیع، صیف، شتاء، اور خریف اور چوں کہ ہر موسم ایک نئی ضرورت کو لے کر آتا ہے جس کی بناء پر قیمتوں میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سال میں ہر چیز کا ایک سیزن ہوتا ہے جس میں تاجر لوگ خوب کمائی کرتے ہیں، لہذا سال گزرنے کو نماء یعنی بڑھوتری کے قائم مقام کر دیا گیا اور اسی پر حکم دائر کر دیا گیا اب چاہے حقیقتاً بڑھوتری ہو یا نہ ہو سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، اس تقریر سے حوالان حول کو نماء کے قائم مقام کرنا اچھی طرح واضح ہو گیا۔

مملوک ملکاً تاماً: مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف اس مال میں واجب ہوتی ہے جس مال پر آدمی کو ملکیت تامہ حاصل ہو، لہذا امکاتب پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کیوں کہ اس کو اپنے مال پر ملکیت تو حاصل ہوتی ہے لیکن ملک رقبہ حاصل نہیں ہوتی، یعنی اس کو اپنے مال میں تصرف کا حق تو حاصل ہوتا ہے لیکن وہ ذات مال کا اس طور پر مالک نہیں ہوتا کہ اس کی ملکیت کو جس طرح چاہے منتقل کرے۔

ومدیون مطالب الخ: اسی طرح مدیون پر اس کے دین کے بقدر مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ اس دین کا مطالبہ کرنے والا بندہ ہو اور اگر ایسا دین ہے جس کا مطالبہ من جانب اللہ ہو تو وہ دین مانع زکوٰۃ نہ ہوگا مثلاً کوئی شخص دوسو درہم کا مالک ہے اور اس نے ان میں سے پچاس درہم کی نذر مانی اور ابھی نذر پوری نہیں کی اور سال پورا ہو گیا تو ان دوسو درہموں کی زکوٰۃ واجب ہوگی، نذر کا دین وجوب زکوٰۃ سے مانع نہ ہوگا، اسی طرح اس پر کوئی کفارہ لازم ہو چاہے کفارہ یمین ہو یا ظہار ہو یا کوئی اور کفارہ یہ بھی وجوب زکوٰۃ سے مانع نہ ہوگا، ان ہی چیزوں کو خارج کرنے کے لئے مطالب من عبید کی قید لگائی۔

ولا فی مال مفقود الخ: مصنفؒ یہاں سے مال ضار اور اس کا حکم بیان فرما رہے ہیں، مال ضار وہ مال کہلاتا ہے جو غائب ہو اور جس کے ملنے کی امید نہ

ہوا اگر ملنے کی امید ہو تو وہ مال ضار نہیں ہے۔ اور بعض لوگوں نے مال ضار کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ مال جو بعینہ قائم تو ہو لیکن اس سے نفع نہ اٹھایا جاسکتا ہو، پہلی تعریف زیادہ بہتر ہے، مصنفؒ نے مال ضار کی چند صورتیں بیان فرمائی ہیں (۱) مال مفقود: یعنی وہ مال جو گم ہو گیا ہو یا غلام بھاگ گیا ہو یا کوئی جانور بھٹک کر کہیں نکل گیا ہو اور ان کا صحیح پتہ معلوم نہ ہو (۲) وہ مال جو سمندر میں گر گیا ہو (۳) وہ مال جو غصب کر لیا گیا ہو اور اس پر بینہ نہ ہو۔ (۴) وہ مال جو کسی جنگل یا میدان میں دفن کیا پھر جگہ بھول گیا، لیکن وہ مال جو گھریا باغ میں دفن کیا اور جگہ بھول گیا تو وہ مال ضار کے حکم میں نہیں ہے کیوں کہ اس کا حاصل کرنا ممکن ہے (۵) وہ دین کہ مدیون اس سے انکار کر دے پھر چند سال کے بعد کسی کے سامنے اقرار کر لے یا مالک دین کو ادا کر دے (۶) وہ مال جو حکمرانوں کی طرف سے ناحق وصول کیا گیا ہو وغیرہ۔

مال ضار کا حکم: حکم یہ ہے کہ اگر وہ مال چند سالوں کے بعد مالک کو مل گیا ہو تو ہمارے نزدیک ان سالوں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جن سالوں میں یہ مال ضار رہا ہو، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک ان سالوں کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔



شرح وقایہ صفحہ: ۲۱۹

وَلَا يَبْقَى لِلتَّجَارَةِ مَا اشْتَرَاهُ لَهَا فَنَوَىٰ خِدْمَتَهُ ثُمَّ لَا يَصِيرُ
لِلتَّجَارَةِ وَإِنْ نَوَاهُ لَهَا مَا لَمْ يَبْعُهُ وَمَا اشْتَرَاهُ لَهَا كَانَ لَهَا
لَا مَا وَرَثَهُ وَنَوَىٰ لَهَا وَمَا مَلَكَهُ بِهَبَةٍ أَوْ وَصِيَّةٍ أَوْ نِكَاحٍ أَوْ
خُلْعٍ أَوْ صُلْحٍ عَنْ قَوْدٍ وَنَوَاهُ لَهَا كَانَ لَهَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ
لَا عِنْدَ مُحَمَّدٍ.

(الف) عبارت باعرا ب لکھ کر ضمیروں کا مرجع ظاہر کرتے ہوئے ترجمہ لکھئے
(ب) مطلب لکھئے، ثم لا یصیر للتجارة سے مصنف کیا کہنا چاہتے ہیں، (ج)
شراء وراثت اور ہبہ وغیرہ کے درمیان مصنف نے جو فرق تحریر کیا ہے اس کو واضح کیجئے
کیا سونا چاندی اور سوائم میں بھی وجوب زکوٰۃ کے لئے نیت تجارت شرط ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: اور وہ مال بطور مال تجارت کے باقی نہیں رہے گا جو
تجارت کے لئے خریدا تھا پس اس میں خدمت کی نیت کر لی، پھر وہ تجارت کا مال نہیں
ہوگا اگرچہ تجارت کی نیت کرے جب تک کہ اس کو بیچ نہ دے، اور جو مال تجارت کے
لئے خریدا وہی تجارت کے لئے ہوگا نہ کہ وہ مال جس کا وارث ہوا ہو اور اس میں
تجارت کی نیت کی ہو، اور وہ مال جس کا ہبہ یا وصیت یا نکاح یا خلع یا قصاص کے بدلہ
میں صلح کے ذریعہ مالک بنا ہوا اور اس میں تجارت کی نیت کی ہو تو امام ابو یوسفؒ کے
نزدیک وہ مال تجارت ہو جائے گا، امام محمدؒ کے نزدیک نہیں۔

(ب) تشریح: اس مسئلہ کو جاننے سے پہلے دو باتیں جاننا ضروری ہے (۱)
سونے چاندی اور سائمتہ جانوروں کے علاوہ دوسری چیزوں میں صرف ان میں زکوٰۃ
واجب ہوگی جو تجارت کے لئے ہوں، خدمت، ضرورت یا استعمال کی چیزوں میں
زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، (۲) اور مال تجارت وہی کہلائے گا جس مال کا اختیاری طور
پر مالک بنا ہوا اور مالک بنتے وقت ہی اس میں تجارت کی نیت ہو۔

اب اس عبارت مذکورہ میں مصنفؒ نے سب سے پہلے تو یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ
اگر کوئی مال مال تجارت کی نیت سے خریدا گیا، پھر مالک نے یہ ارادہ کر لیا کہ اس چیز کو
اپنی خدمت یا استعمال کے لئے رکھ لیتے ہیں، تو اب یہ مال تجارت کا مال نہ کہلائے گا
اور اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اگرچہ کہ بعد میں اس کو بیچ دینے کا ارادہ کیا ہو تو اب

صرف ارادہ سے وہ چیز مال تجارت نہیں ہو جائے گی جب تک کہ اس کو بیچ نہ دے، ثم لا یصیر الخ سے مصنفؒ یہی کہنا چاہ رہے ہیں کہ صرف ارادہ سے خدمت میں یا استعمال میں رکھی ہوئی چیز مال تجارت نہیں ہوگی جب تک کہ اس کو بیچ نہ دے۔

شراء، وراثت اور ہبہ وغیرہ کے درمیان فرق

وما اشتراه لها: یعنی وہی اشیاء مال تجارت کہلائے گی جن کو تجارت کی غرض سے خریدا ہو، وہ اشیاء مال تجارت نہیں کہلائے گی جن کا وارث بنا ہو، اور وراثت حاصل کرتے وقت ان میں تجارت کی نیت کی ہو، کیوں کہ وراثت میں ملکیت اختیاری نہیں ہوتی جیسا کہ جنین یعنی وہ بچہ جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہے اس کے لئے بھی وراثت ہو جاتی ہے حالاں کہ اس کو کوئی اختیار نہیں ہوتا، تو معلوم ہوا کہ وراثت کے ذریعہ ملکیت کا حاصل ہونا غیر اختیاری فعل ہے اور نیت کا اعتبار اختیاری افعال میں ہوتا ہے، غیر اختیاری میں نہیں، لہذا اس مال وراثت میں تجارت کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔

وما ملکہ بھبة او وصیة: شراء یعنی خریدی ہوئی اشیاء میں نیت تجارت کا صحیح ہونا اور وراثت کی اشیاء میں نیت تجارت کا صحیح نہ ہونا متفق علیہ مسئلہ ہے۔

لیکن وہ اشیاء جو بطور ہبہ کے ملکیت میں آئی ہوں یا وصیت کی وجہ سے ملکیت میں آئی ہوں یا نکاح کے بغیر مہر کی صورت میں عورت کی ملکیت میں آئی ہوں یا بدل خلع کے طور پر شوہر کو حاصل ہوئی ہوں یا قصاص کے بدلہ میں صلح کے طور پر جو مال وراثت کو ملا ہو اس میں نیت تجارت صحیح ہے یا نہیں؟ اس بارے میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ان اشیاء میں نیت تجارت درست ہوگی کیوں کہ یہاں نیت اس کے فعل اختیاری کے ساتھ متصل ہوئی ہے اور اس کا فعل ان چیزوں کو قبول کرنا ہے۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ان چیزوں میں نیت تجارت صحیح نہیں ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک نیت کا عمل تجارت سے متصل ہونا

ضروری ہے اور ہبہ، صدقہ وغیرہ عمل تجارت میں سے نہیں ہے اس لئے تجارت کی اجازت ان چیزوں کو شامل نہیں ہوتی، اسی وجہ سے عبد ماذون اور مضارب کو ہبہ وغیرہ کی اجازت نہیں ہوتی۔

فائدہ : سونا، چاندی اور سائتمہ جانوروں (یعنی وہ جانور جو سال کا اکثر حصہ مباح جنگلات میں چرتے ہوں) میں وجوب زکوٰۃ کے لئے نیت تجارت شرط نہیں ہے، چاہے نیت تجارت ہو یا نہ ہو اگر یہ بقدر نصاب ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔



شرح وقایہ صفحہ: ۲۲۰

وَلَا آدَاءَ إِلَّا بِنِيَّةٍ قَرَنْتُ بِهِ أَوْ بَعَزْلٍ قَدْ رَمَا وَجَبَ وَتَصَدَّقُهُ
بِكُلِّ مَالِهِ بِلَا نِيَّةٍ مُسْقِطٌ وَبِبَعْضِهِ لَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ أَيْ
إِذَا تَصَدَّقَ بِجَمِيعِ مَالِهِ بِلَا نِيَّةٍ الزَّكَاةُ تَسْقُطُ الزَّكَاةُ، وَ
إِنْ تَصَدَّقَ بِبَعْضِ مَالِهِ تَسْقُطُ زَكَاةُ الْمُؤَدَّى عِنْدَ مُحَمَّدٍ
خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) تمام مسائل کی اس طرح تشریح کیجئے کہ صاحبین کا اختلاف واضح ہو جائے، اور ایک ایسی مثال پیش کیجئے جس سے صاحبین کے اختلاف کا ثمرہ ظاہر ہو جائے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور ادائیگی زکوٰۃ صحیح نہیں ہے مگر اس نیت کے ساتھ جو ادائیگی سے ملی ہوئی ہو یا واجب مقدار کو جدا کرنے سے ملی ہو، اور بغیر نیت کے کل مال کا صدقہ کر دینا زکوٰۃ کو ساقط کر دیتا ہے اور بعض مال کا بلا نیت صدقہ کرنا امام

ابو یوسفؒ کے نزدیک ساقط نہیں کرتا، یعنی اگر پورا مال بغیر نیتِ زکوٰۃ کے صدقہ کر دے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، اور اگر بعض مال صدقہ کرے تو امام محمدؒ کے نزدیک مؤذی کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی برخلاف امام ابو یوسفؒ کے۔

(ب) **تشریح:** چوں کہ زکوٰۃ ایک عبادت مقصودہ ہے، لہذا اس کی ادائیگی کے لئے نیت شرط ہے اور اصل تو یہی ہے کہ نیت اداء کے ساتھ ملی ہو لیکن چونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی متفرق اوقات میں ہوتی ہے اس لئے ہر وقت نیت کے شرط ہونے میں بڑا حرج لازم آتا ہے، لہذا ایک مرتبہ اپنے مال سے مقدارِ زکوٰۃ کو جدا کرتے وقت نیت کر لے تو کافی ہے بعد میں اسی میں سے ادا کرتا رہے تو زکوٰۃ اداء ہو جائے گی۔

اذا تصدق بجميع ماله الخ: یعنی اگر کسی کے پاس بقدرِ نصاب مال موجود ہے اور اس پر سال بھی گزر گیا جس کی بناء پر زکوٰۃ واجب ہو گئی اب اگر وہ بغیر نیتِ زکوٰۃ کے پورا مال صدقہ کر دے تو اس پر سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، یہ مسئلہ تو متفق علیہ ہے، لیکن اگر پورا مال صدقہ نہ کرے بلکہ بعض مال صدقہ کرے تو اس صورت میں امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان اختلاف ہے۔

امام محمدؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ جتنا مال صدقہ کیا ہے اس کے بقدر مال کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ کچھ بھی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی بلکہ اس کو پورے مال کے حساب سے زکوٰۃ اداء کرنی ہوگی۔

ثمرۃ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ مثلاً کسی آدمی کے پاس دو سو درہم ہیں اس میں سے اس نے سو درہم صدقہ کر دیئے، بغیر نیتِ زکوٰۃ کے تو امام محمدؒ کے نزدیک ان صدقہ کئے ہوئے سو درہموں کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور اس کو صرف بقیہ سو درہموں کی زکوٰۃ اداء کرنی ہوگی، یعنی ڈھائی درہم اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکمل دو سو درہم کی زکوٰۃ اداء کرنی ہوگی یعنی پانچ درہم۔

شرح وقایہ صفحہ ۲۲۲

وَلَا شَيْءٌ فِي بَغْلِ وَحِمَارٍ لَيْسَ لِلتَّجَارَةِ وَلَا فِي عَوَامِلٍ
وَحَوَامِلٍ وَعَلُوفَةٍ وَلَا فِي حَمَلٍ وَفَصِيلٍ وَعَجِيلٍ إِلَّا تَبَعًا
لِلْكَبِيرِ وَلَا فِي ذُكُورِ الْخَيْلِ مُنْفَرِدَةً وَكَذَا فِي إِنَائِهَا فِي
رِوَايَةٍ وَفِي كُلِّ فَرَسٍ مِّنَ الْمُخْتَلِطِ بِهِ الذُّكُورُ وَالْإِنَاثُ
سَائِمَةٌ دِينَارٌ أَوْ رُبْعُ عَشَرَ قِيَمَتُهُ نَصَابًا.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) تمام مسائل کی واضح تشریح کرتے

ہوئے بتائیے کہ ”عوامل وحوامل اور علوفہ“ کسے کہتے ہیں (ج) ”وفی کل فرس الخ“ کی تسلی بخش وضاحت کیجئے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور ایسے خچر اور گدھے میں جو تجارت کے لئے نہ ہوں، کوئی چیز (بطور زکوٰۃ کے) واجب نہیں ہے اور نہ عوامل وحوامل اور علوفہ میں، اور حمل، فصیل اور عجیل میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، مگر بڑے کے تابع ہو کر، اور نہ صرف زر گھوڑوں میں اور اسی طرح صرف مادہ گھوڑوں میں ایک روایت کے اعتبار سے (زکوٰۃ واجب نہیں ہے) اور جو مذکور و مؤنت مختلف گھوڑے ہوں اور سائمتہ ہوں تو ان میں ہر گھوڑے پر ایک دینار ہے یا اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ بھی دے سکتا ہے اگر وہ قیمت نصاب کو پہنچے۔

(ب) تشریح: اس سے پہلے تو مصنفؒ نے ان جانوروں کا تذکرہ کیا تھا جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، یہاں سے ان جانوروں کا تذکرہ فرما رہے ہیں جن میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، چنانچہ فرمایا کہ گدھے اور خچر میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، کیوں

کہ یہ عموماً حوامل میں داخل ہوتے ہیں، شرط یہ ہے کہ یہ جانور تجارت کے لئے نہ ہوں، اگر تجارت کے لئے ہوں تو مال تجارت ہونے کی وجہ سے ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی طرح عوائل، حوامل اور علوفہ میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

عوامل: یعنی وہ جانور جن سے کام لیا جاتا ہو، مثلاً زمین جو تنایا تیلی کا تیل وغیرہ۔

حوامل: یعنی وہ جانور جن پر بوجھ لاداجاتا ہو، یا تیل گاڑی کا جانور۔

علوفہ: یعنی وہ جانور جن کو کوٹھے وغیرہ میں باندھ کر رکھا جاتا ہو اور وہیں دانہ پانی دیا جاتا ہو، دوسرے معنی میں وہ جانور جو سال کا اکثر حصہ مباح جنگلات میں نہ چرائے جاتے ہوں، علوفہ، سائمنہ کی ضد ہے۔

سائمنہ: وہ جانور ہے جو سال کا اکثر حصہ مباح جنگلات میں چرائے جاتے ہیں، بہر حال مذکورہ جانوروں پر سوائے سائمنہ کے زکوٰۃ واجب نہیں ہے، کیوں کہ یہ جانور خدمت یا ضرورت کے لئے ہیں اور علوفہ چوں کہ سائمنہ کی ضد ہے اور وجوب زکوٰۃ کے لئے سائمنہ ہونا ضروری ہے اس لئے علوفہ میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

ولا فی حمل و ففصیل الخ :

حمل: بکری کے اس بچہ کو کہتے ہیں جو ابھی پہلے سال میں ہوا اور اس پر سال

پورا نہ ہوا ہو۔

فصیل: اونٹ کے اس بچہ کو کہتے ہیں جو ابھی ایک سال کا نہ ہوا ہو۔

عجیل: گائے کے اس بچہ کو کہتے ہیں جس کا سال مکمل نہ ہوا ہو۔

تو اگر صرف حمل یا فصیل یا عجیل ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی ہاں بڑوں کے تابع ہو کر ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی، مثلاً اگر کسی کے پاس ستائیس گائے ہیں اور تین عجیل ہیں اور سب کو ملا کر تیس کو پہنچ جاتے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اسی طرح اگر صرف نر گھوڑے ہوں تو ان میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیوں

کہ ان میں افزائش نسل نہ ہونے کی وجہ سے یہ مال نامی نہیں ہیں، اسی طرح اگر صرف مادہ گھوڑیاں ہوں تو ایک روایت کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، کیوں کہ صرف گھوڑیوں میں بھی افزائش نسل نہیں ہو سکتی، لیکن دوسری روایت میں صرف گھوڑیوں میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، کیوں کہ عاریۃً فخل کے ذریعہ افزائش نسل ممکن ہے، برخلاف زر گھوڑوں کے۔

وفی کل فرس من المختلط الخ: زرمادہ مختلط گھوڑوں میں سائمنہ ہونے پر ہر گھوڑے میں ایک دینار زکوٰۃ واجب ہوگی یا اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ واجب ہوگا اگر ان گھوڑوں کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے۔

شرح وقایہ صفحہ: ۲۲۳

وَالزَّكْوٰةُ فِی النَّصَابِ لَا الْعَفْوِ ، وَهَلَاكُ النَّصَابِ بَعْدَ
الْحَوْلِ یُسْقِطُ الْوَاجِبَ وَهَلَاكُ الْبَعْضِ حِصَّتَهُ وَ
یُضَرِّفُ الْهَلَاكُ إِلَى الْعَفْوِ أَوْ لَا ثُمَّ إِلَى نَصَابٍ یَلِیْهِ ثُمَّ
وَتَمَّ إِلَى أَنْ یُنْتَهَى .

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ لکھیں (ب) مطلب لکھیں نیز ثم و تم الی ان ينتهى کی تقدیری عبارت اور مفہوم کی وضاحت کریں، یہاں پر لفظ عفو سے کیا مراد ہے؟ مذکورہ مسائل کو مع امثلہ واضح کریں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور زکوٰۃ نصاب میں ہے نہ کہ عفو میں اور سال گزرنے کے بعد نصاب کا ہلاک ہونا واجب کو ساقط کر دیتا ہے، اور بعض نصاب کا ہلاک ہونا اس کے حصہ کو ساقط کر دیتا ہے، اور ہلاک کو پہلے عفو کی طرف پھیرا جائے گا پھر اس

نصاب کی طرف جو اس سے ملا ہوا ہے، پھر اس سے ملے ہوئے کی طرف، پھر اس سے ملے ہوئے کی طرف، یہاں تک کہ نصاب ختم ہو جائے۔

(ب) تشریح: ثم وثم الی ان الخ ای ثم الی نصاب یلیہ

و ثم الی نصاب یلیہ الی ان ینتہی النصاب.

والزکوة فی النصاب: وجوب زکوة میں اصل اعتبار نصاب کا ہے، عفو کا نہیں مثلاً پچیس اونٹوں کے نصاب میں ایک بنت مخاض واجب ہے پینتیس تک، تو اس میں پچیس سے پینتیس تک عفو ہیں ان کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی اعتبار نہیں، اب اگر کسی کی ملکیت میں پینتیس اونٹ ہیں اور سال گزرتے گزرتے پچیس کے اوپر کے کل دس اونٹ یا ان میں سے بعض ہلاک ہو جائیں تو بھی فریضہ نہیں بدلے گا اور بنت مخاض ہی واجب رہے گا۔

نصاب وعفو: نصات تو وہ ہے جس میں واجب بدلتا ہے اور عفو میں واجب نہیں بدلتا، مثلاً پانچ اونٹ میں ایک بکری واجب ہوتی ہے اور نو اونٹ تک ایک ہی بکری واجب رہتی ہے، دس اونٹوں پر دو بکریاں واجب ہوتی ہیں، تو پانچ اور دس تو نصاب ہے اور چھ سے نو تک عفو ہے، اسی طرح پچیس اونٹوں میں ایک بنت مخاض واجب ہوتا ہے، پینتیس تک اور چھتیس میں ایک بنت لبون واجب ہوتا ہے تو پچیس اور چھتیس نصاب ہے اور چھتیس سے پینتیس تک عفو ہے۔

وهلاک النصاب بعد الحول الخ: بعد الحول نصاب کے ہلاک

ہونے کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہلاکت کو اولاً عفو کی طرف پھیرا جائے گا پھر اس کے بعد اس نصاب کی طرف جو عفو سے ملا ہوا ہو، پھر اس نصاب کی طرف جو اس نصاب سے ملا ہوا ہو، دلیل یہ ہے کہ اصل تو نصاب اول ہے اور اس کے بعد کا نصاب اور عفو یہ نصاب اول کے تابع ہے اور ہلاکت کی صورت میں ہلاکت کو

پہلے تابع کی طرف پھیرا جاتا ہے جیسا کہ مضاربہ میں ہلاکت کو اولاً نفع کی طرف پھیرا جاتا ہے نہ کہ رأس المال کی طرف۔

لہذا اب اگر کسی کے پاس ساٹھ بکریاں تھیں، جس میں ایک بکری واجب ہے اور سال پورا ہونے پر بیس بکریاں ہلاک ہو گئیں تو بھی اس پر ایک ہی بکری واجب رہے گی، کیوں کہ چالیس بکریوں پر ایک بکری واجب ہوتی ہے جو کہ نصاب ہے اور بیس بکریاں جو ہلاک ہوئی ہیں وہ عفو میں سے ہیں، لہذا ہلاکت کو عفو کی طرف پھیرا گیا، اسی طرح اگر کسی کے پاس چھ اونٹ تھے جن میں ایک بکری واجب ہے اب ایک اونٹ ہلاک ہو گیا، تب بھی بکری واجب رہے گی کیوں کہ اصل نصاب پانچ اونٹ ہیں جو کہ باقی ہیں جن پر ایک بکری واجب ہوتی ہے اور جو ایک اونٹ ہلاک ہوا وہ عفو میں سے ہے۔

شرح وقایہ صفحہ: ۲۳۰

وَوَرِقٌ غَلَبَ فِضَّتُهُ فِضَّةً وَ مَا غَلَبَ غَشُّهُ يَقَوْمٌ وَ نَقْصَانُ
النَّصَابِ فِي الْحَوْلِ هَذَرٌ ، وَيُضْمُ الذَّهَبُ إِلَى الْفِضَّةِ وَ
الْعُرُوضُ إِلَيْهِمَا بِالْقِيَمَةِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر تفصیل کے ساتھ مطلب لکھیں (ب) سونے کو چاندی کے ساتھ ملانے میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا اختلاف حسب بیان شارح لکھیں اور کتاب میں ذکر کردہ مثالوں کی وضاحت کریں۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور ورق میں چاندی غالب ہو تو وہ پورا چاندی ہے، اور جس میں کھوٹ غالب ہو تو اس کی قیمت لگائی جائے گی، اور درمیان سال میں نصاب کا کم ہونا ہذر (لغو) ہے۔

اور سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا اور سامان تجارت کو سونے چاندی دونوں کے ساتھ ملایا جائے گا، قیمتاً۔

تشریح: ورق واد کے فتح اور راء کے کسرہ کے ساتھ، چاندی کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جس کو پگھلا کر کسی سانچے میں نہ ڈھالا گیا ہو اور چوں کہ اس میں عام طور پر کھوٹ ملی ہوئی ہوتی ہے۔

اس لئے خاص طور پر اس کا مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر چاندی غالب ہو اور کھوٹ کم ہو تو یہ لاکٹر حکم الکحل کے تحت چاندی ہی شمار ہوگا اور اگر کھوٹ غالب ہو تو یہ سامان کے حکم میں ہوگا، اگر اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

ونقصان النصاب فی الحول ھذہ : یعنی اگر درمیان سال میں نصاب میں کچھ کمی واقع ہو جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، شروع سال اور اختتام سال میں مکمل نصاب موجود ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی، درمیان سال میں نصاب میں کمی کا واقع ہو جانا کچھ اثر نہیں کرے گا، مثلاً اگر کسی کے پاس ضرورت سے زائد بیس دینار جمع ہو جائیں یا وہ اپنی دکان میں بیس دینار کا سامان تجارت بھر دے اور مثلاً یہ رجب میں ہو تو یہی اس کے لئے اول سال ہے، درمیان سال میں اگر ان میں کچھ کمی ہوگئی مثلاً پندرہ دینار رہ گئے پھر آئندہ سال رجب آتے آتے یہ کمی پوری ہوگئی اور مکمل بیس دینار ہو گئے تو اس پر ان بیس دیناروں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

نوٹ: واضح رہے کہ یہ مسئلہ نصاب میں کمی ہونے پر ہے اگر نصاب بالکل ہی ختم ہو جائے، مثلاً درمیان سال میں کچھ باقی نہ رہا ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

(ب) ویضم الذھب الی الفضة: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس نہ سونے کا نصاب مکمل ہو اور نہ چاندی کا نصاب مکمل ہو تو ہمارے ائمہ کے نزدیک

سونے کو چاندی سے یا چاندی کو سونے سے ملا کر اگر انصاب پورا ہو تو جس کا بھی نصاب پورا ہوتا ہے اس کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، اسی طرح سامان تجارت کو بھی سونے چاندی کے ساتھ ملا کر انصاب پورا کیا جائے گا۔

البتہ قیمتاً ملایا جائے یا اجزاء ملایا جائے اس میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمتاً ملایا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک اجزاء ملایا جائے گا، صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ سونے چاندی میں قدر معتبر ہے قیمت نہیں، جیسا کہ اگر کسی کے پاس کوئی چاندی کی چیز ہے جس کا وزن دوسو درہم سے کم ہے لیکن اس کی قیمت دوسو درہم سے زائد ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، پس معلوم ہوا کہ اعتبار وزن کا ہے قیمت کا نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سونے اور چاندی کو جس مجانست کی بناء پر ملانے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ ثمنیت ہے جو قیمت کے اعتبار سے متحقق ہوتی ہے نہ کہ صورت کے اعتبار سے، اسی اختلاف کی بناء پر اس کے اگلے مسئلہ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اگر کسی کے پاس دس دینار اور نوے درہم ہوں اور نوے درہم کی قیمت دس دینار کے برابر ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی کیوں کہ قیمت کے اعتبار سے سونے کا نصاب بن رہا ہے۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، کیوں کہ اجزاء نصاب پورا نہیں ہو رہا ہے، دس دینار سونے کا نصف نصاب ہے اور نوے درہم چاندی کا نصاب نہیں ہے بلکہ نصف سے کم ہے اس لئے نصاب پورا نہ ہوا تو زکوٰۃ بھی واجب نہ ہوگی، اور اگر کسی کے پاس دس دینار ہوں اور سو درہم ہوں تو بالاتفاق اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، صاحبینؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ نصف نصف ملا کر مکمل نصاب ہو گیا، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سو درہم کی قیمت یا تو دس دیناروں کے برابر ہوگی یا زائد ہوگی تو ان دونوں صورتوں میں سونے کا نصاب قیمتاً پایا گیا، اور اگر سو درہم کی قیمت دس

دیناروں سے کم ہو تو لا محالہ دس دیناروں کی قیمت سودرہموں سے زائد ہوگی، تو چاندی کا نصاب پائے جانے کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

نوٹ: العروض کا عطف الذهب پر ہے، ای يضم الذهب الى الفضة والعروض إلى الذهب والفضة .

شرح وقایہ صفحہ: ۲۴۶

وَقَبِلَ بِلَا دَعْوَى وَلَفْظِ أَشْهَدُ لِلصَّوْمِ مَعَ غَيْمٍ خَبَرَ فَرَدَّ
بِشَرْطِ أَنَّهُ عَدْلٌ وَلَوْ قِنًا أَوْ امْرَأَةً أَوْ مَحْدُودًا فَيُقْذَفُ تَائِبًا.
(الف) مندرجہ بالا عبارت کا ترجمہ کیجئے (ب) وضاحت کے ساتھ مطلب قلمبند کیجئے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: اور قبول کیا جائے بغیر دعویٰ اور بغیر لفظ اشہد کے، روزہ (رمضان) کے لئے بادل کے ساتھ ایک فرد کی خبر کو، اس شرط کے ساتھ کہ وہ عادل ہوں، اگرچہ وہ غلام یا عورت ہو یا محدود فی القذف تائب ہو۔
(ب) تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مطلع (آسمان، چاند نکلنے کی جگہ) ابراآلود ہو تو رمضان کے چاند کے لئے فرد واحد کی خبر کو قبول کر لیا جائے گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام یا محدود فی القذف ہو اور اپنے فعل سے توبہ کر چکا ہو، لیکن ان تمام کا عادل ہونا شرط ہے کیوں کہ دینی معاملات میں فاسق کی خبر کا کوئی اعتبار نہیں، البتہ اس معاملہ میں دعویٰ اور لفظ اشہد کے ذریعہ گواہی دینا شرط نہیں ہے، کیوں کہ یہ ایک محض دینی معاملہ ہے حقوق العباد سے اس کا کوئی تعلق نہیں، حقوق العباد میں دعویٰ اور شہادت کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے اس معاملہ میں ان کی بات کو بھی قبول کر لیا

جاتا ہے جن کی گواہی معتبر نہیں ہے جیسے: ننہا عورت، غلام وغیرہ۔

اور اگر مسئلہ عید کی چاند کا ہونا اس میں بادل ہونے کی صورت میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی شرط ہے، اور گواہی میں لفظ اشہد کے ذریعہ گواہی دینا شرط ہے، کیوں کہ اس میں بندوں کا دنیوی نفع ہے، لہذا یہ حقوق العباد کے مشابہ ہو گیا، اور حقوق العباد میں نصاب شہادت ضروری ہے، البتہ اس میں دعویٰ شرط نہیں ہے، کیوں کہ یہ محض حقوق العباد سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس سے حقوق اللہ بھی متعلق ہے اور دعویٰ محض حقوق العباد میں ہوتا ہے۔

فائدہ: ہلال رمضان اور ہلال عید کے ثبوت کے لئے مطلع ابراؤد نہ ہونے کی صورت میں جمع عظیم کی شہادت ضروری ہے اور جمع عظیم سے وہ جماعت مراد ہے جن کی خبر سے علم یقین حاصل ہو جاتا ہے اور عقل ان کے جھوٹ پر متفق ہونے سے انکار کرے۔



شرح وقایہ صفحہ: ۲۵۱

نَذَرَ بِصَوْمِ يَوْمِي الْعِيدِ وَأَيَّامِ التَّشْرِيقِ أَوْ بِصَوْمِ السَّنَةِ صَحَّ
وَأَفْطَرَ هَذِهِ الْأَيَّامَ وَقَضَاهَا وَلَا عُهْدَةَ إِنَّ صَامَهَا ، فَرَّقُوا بَيْنَ
النَّذْرِ وَالشُّرُوعِ فِى هَذِهِ الْأَيَّامِ فَلَا يَلْزَمُ بِالشُّرُوعِ لِأَنَّهُ
مَعْصِيَةٌ وَيَلْزَمُ بِالنَّذْرِ إِذْ لَا مَعْصِيَةَ فِى النَّذْرِ .

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ تحریر کیجئے (ب) مطلب لکھئے، نذر کی تعریف، ایام تشریق اور عہدہ کی مراد واضح کر کے مذکورہ مسئلہ میں نذر اور شروع کے حکم میں فرق کو مدلل تحریر کیجئے۔

الجواب:

(الف) ترجمہ: کسی نے عید کے دنوں دنوں (عید الفطر و عید الاضحیٰ) اور ایام تشریق کے روزوں کی نذر مانی یا پورے سال کے روزوں کی نذر مانی تو صحیح ہے۔ اور ان دنوں میں افطار کرے اور ان کی قضاء کر لے، اور کوئی ذمہ داری (قضاء) نہ ہوگی اگر ان دنوں میں روزہ رکھ لے، فقہاء نے نذر اور ان دنوں میں روزہ شروع کرنے میں فرق کیا ہے، پس شروع کرنے سے لازم نہ ہوگا اس لئے کہ وہ معصیت ہے، اور نذر ماننے سے لازم ہوگا کیوں کہ نذر میں کوئی معصیت نہیں ہے۔

(ب) تشریح: نذر کی تعریف: ہو ایجاب عین الفعل المباح علی نفسہ تعظیماً للہ تعالیٰ: نذر وہ ہے کہ بندہ بذات خود اپنے اوپر کوئی ایسی چیز واجب کرے جو اس پر من جانب شرع واجب نہ تھی، نذر کی دو قسمیں ہیں (۱) منجز (۲) معلق۔ منجز: یہ ہے کہ بغیر کسی شرط کے کسی عمل کی نذر مانے مثلاً منجز یوں کہے کہ میں اللہ کے لئے ایک روزہ رکھوں گا۔

معلق: یہ ہے کہ اپنی نذر کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرے، مثلاً یوں کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو ایک دن کا روزہ رکھوں گا۔ پھر ان کی دو قسمیں ہیں (۱) معین (۲) غیر معین۔

ایام تشریق: اس سے مراد ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کے ایام ہیں، اور عہدہ سے مراد قضاء ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن یا ایام تشریق یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کے دنوں میں کسی دن کے روزہ کی نذر مانی یا ایک سال کے روزوں کی نذر مانی تو اس کی یہ نذر صحیح ہے، اس نذر کی بناء پر اس پر ان ایام کے

روزے واجب ہوں جائیں گے، لیکن چوں کہ ان دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے اس لئے ان دنوں میں روزہ نہ رکھے اور دوسرے ایام میں اس کی قضاء کر لے، اور اگر وہ ان ایام میں باوجود روزہ منع ہونے کے روزہ رکھ لے تو نذر کا جو روزہ واجب ہوا تھا وہ ساقط ہو جائے گا، اور بعد میں اس کی قضاء کی ضرورت نہ ہوگی، یہ حکم ہمارے نزدیک ہے، امام شافعی وغیرہ کے نزدیک یہ نذر ہی صحیح نہیں ہے کیوں کہ ان ایام کا روزہ منہی عنہ ہے اور منہی عنہ معصیت ہوتا ہے اور معصیت کی نذر صحیح نہیں ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : لا نذر فی معصیۃ اللہ . یعنی جس کام میں اللہ کی معصیت ہوتی ہو اس کی نذر صحیح نہیں ہے۔

احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ان ایام میں روزہ رکھنا ممنوع و معصیت ہے اس کے ہم بھی قائل ہیں، اسی بناء پر اگر ان ایام میں کوئی روزہ رکھ لے تو اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ توڑ دینا واجب ہے، لیکن نذر میں کوئی معصیت نہیں ہے، نذر ایک مشروع چیز ہے، اور جب کہ یہاں ایام غیر منہی عنہ میں اس کی قضاء ممکن ہے تو پھر اس کی صحت سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ڈاک اور ٹرانسپورٹ سے کتابیں منگوانے کے لیے رابطہ کریں

مکتبہ صوت القرآن دیوبند
Maktaba Sautul Quran Deoband

9368911053, Ph. 01336-223460
 Website: www.deobandtoday.com/sautul-quran
 E-mail: fazlulhasanazmi@gmail.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com
 Telegram channel : New Madarsa